۲۱۔ حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وفات: ۹/۱۹ شعبان یا ۱۰ جمادی الاولی/جمادی الاخری ۷۱۵ھ یا ۷۱۶ھ یا ۷۱۸ھ

مدفن: پانی پت

حضرت شیخ شمس الدین ترک، ماوراء النہر، نہر کابل کے اس پار کے علاقے بلخ، بخارا، سمرقند کے تھے۔ اس لئے ان کے نام کے ساتھ ترک ہے، شمس الدین ترک۔ یہ اپنے علاقہ سے چل کر یہاں شمالی ہند، ہندستان کے شمالی حصہ میں کلیر شریف ہے، وہاں آ کر حضرت علاء الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تھے۔

یہ جو تمام بزرگوں کی صفات میں آپ سن رہے ہیں کہ وہ ہر وقت استغراقی کیفیت میں رہتے تھے، گردن جھکی ہوئی رہتی، ہم تو چند منٹ میں محسوس کرتے ہیں کہ پیچھے درد ہو گیا اور ان کے تو گھنٹے اور دن، مہینے اور سال اسی طرح استغراق میں گزر جاتے تھے۔

ہر چیز میں حسد

اور منکرین و ناقدین صوفیاء کرام، جن کو ان مجاہدات سے کوئی آشنائی نہیں ہوئی اور اس کی چاشنی انہوں نے چکھی نہیں، ہر چیز میں حسد ہوتا ہے۔ جب انسان دیکھتا ہے کہ اوہ ہو ہو! یہ اتنا بڑا امیر ہے، میں اتنا امیر نہیں بن سکا، تب اس پر ہزاروں تہمتیں جڑ دیں گے کہ اس نے حرام کا اکٹھا کیا، اس نے میراث کا اکٹھا کیا، اس نے فلاں کا مال کھایا۔ صرف اس لئے کہ وہ خود اس نعمت سے عاری ہے، اور خود دولت جمع نہیں کر سکا۔

یہ صوفیاء کے جو معترضین ہیں ان کا حال بھی یہی ہے۔ جب وہ سارے واقعات دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، تو ان کی عقل کام نہیں کرتی کہ مجاہدہ اس قدر بھی کیا جا سکتا ہے، تو طرح طرح کے الزام

دھر دیتے ہیں۔

ایک بادام پر گزارہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ کافی عرصہ ایسا گزرا کہ ہر روز ایک بادام کھاتے تھے، پورے چوبیس گھنٹے میں ایک بادام۔ اب اس پر گزارہ آسان ہے؟ ایک بادام کھا کر ہفتے، مہینے گذارے جاسکتے ہیں؟

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا معمول

ہم نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو دیکھا کہ پورے رمضان شریف میں مشکل سے مغرب کے بعد آدھی پیالی چائے پیتے، اور یہی حال سحر میں تھا۔ مغرب کے بعد تو میں پلاتا تھا، تو ابھی آدھی بھی نہیں ہوئی، فرماتے تُو پی لے۔ میں کہتا نہیں، ابھی تو بہت ہے۔ تو زبردستی اور تھوڑی اور میں پرچ میں ڈالتا، پھر اس کے بعد دوسری دفعہ میں نے اگر اصرار کیا کہ نہیں، ابھی تو اور ہے۔ فرماتے کہ تجھے پینا نہ ہو تو کسی اور کو دے دے۔

اب اسی طرح سحر میں وہ آدھی پیالی چائے اور ایک انڈے کی زردی مشکل سے اور چونکہ دانت نہیں تھے، کھجور نہیں کھا سکتے تھے، تو کھجور نرم کی ہوئی، ایک کھجور کے برابر مشکل سے افطار میں لیتے اور زمزم کا ایک گلاس نوش فرماتے، ایک کپ چائے۔ پورے دن میں ایک آدھ انڈے کی زردی اس پر کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟ ہم لوگ تو تیسرے دن حال سے بے حال ہو جائیں گے۔

اس سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ مجاہدہ کیسے کرتے ہوں گے؟ اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا اس مجاہدہ کے ساتھ پھر روز ایک قرآن شریف کا معمول ساری زندگی رہا۔ اور دیگر معمولات اور ہزاروں مہمانوں کا انتظام اور ہزاروں کو توجہ دینا اور ساری دنیا کا انتظام، انصرام، یہ سب مزید برآں۔

اس لئے ناقدین نے ان صوفیاء پر تہمت لگادی کہ یہ جو گردن جھکا کر بیٹھتے ہیں استغراق میں رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ طریقہ جوگیوں سے انہوں نے لیا۔

کم بختوں کی عقل ماری گئی ہے۔صرف صوفیاء کی دشمنی میں اسلام کو جھٹلا دیا،قرآن کو جھٹلا دیا۔ قرآن میں نہیں پڑھا ہوگا؟انہوں نے بھی پڑھا ہوگا،آپ سے زیادہ وہ اس کی تفصیل سے واقف ہوں گے کہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس تعمیر کروا رہے ہیں، ہیکلِ سلیمان جس کی تلاش ہے یہودیوں کو،اس کے لئے گرانے کی کوشش ہے بیت المقدس،مسجد صخرۃ وغیرہ کو،تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس کی مسجد تعمیر کروا رہے ہیں اور کام ایسا ہے کہ عام انسان نہیں کرسکتا،اس لئے جنّاتوں سے کروا رہے ہیں، وہ سمندروں سے بڑی بڑی چٹانیں، پورے پورے ستون نما مرمر وغیرہ نکال کرلاتے ہیں،تراشتے ہیں اور لگا رہے ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلوتیں

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک معمول تھا کہ وہ خلوت میں،تنہائی میں چلے جاتے تھے۔اب جو خطوط میرے نام حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ہیں،تو اس میں آپ کئی جگہ پڑھیں گے کہ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ تمہیں اس سے پہلے بھی لکھا،بار بار میں نے لکھا،اب بھی لکھواتا ہوں کہ اپنے لئے دن بھر میں سے زیادہ نہیں تو کم از کم دو تین گھنٹے کا وقت ایسے نکال لیا کریں کہ جس میں کوئی آس پاس بھی نہ ہو اور تمام دنیا سے فارغ ہو کر، یکسو ہو کر صرف ادھر لو لگا کر بیٹھیں۔

یہ خلوت سب کو چھوڑ چھاڑ کر ایک طرف لو لگانے کا نام ہے۔حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ وہ خلوت میں تشریف لے جاتے،مگر ان کی خلوت بھی ان کی شایانِ شان،انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلوت،جیسا کہ سرورِ کونین فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء کو اس کے لئے منتخب فرمایا تھا،جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے میں نے عرض کیا کہ ان کی شایان شان اللہ نے خلوت کی جگہ منتخب فرمائی کہ کہاں پر؟ غارِ حرا۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہِ طور پر جانے کا حکم ہوا۔اسی لئے میں نے کہا

کہ یہ قرآن کوجھٹلاتے ہیں،وَوَاعَدْنَامُوْسیٰ ثَلاثِیْن تو کہاں بھیجا؟ کوہِ طور پر۔ جہاں کوئی دور دور تک نہ کوئی آواز، نہ کوئی مخلوق، نہ کوئی انسان، تو وہاں جا کر، ابھی موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کوتوریت نہیں ملی، کوئی حکم نہیں شریعت کا کہ یوں عبادت کرو، یہ کرو، یہ نہ کرو۔ تو کیا عبادت ہوتی تھی؟ یہی مراقبہ،تفکر میں مشغول بجق رہتے۔

ہر سال کے ماہِ مبارک غارِحراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں گزارتے۔ ابھی تو قرآن بھی نہیں اترا تھا، اِقْرأ بِاسْم تو اسی خلوت کے دوران کئی برس بعد نازل ہوئی۔ تو اس سے پہلے قرآن کی تلاوت بھی نہیں، نماز بھی نہیں اور دوسری عبادتیں نہیں ،احکام نہیں، تو کیا کرتے تھے؟ وہی مراقبہ،تفکر عبادت تھا۔

صوفیاء نے یہاں سے لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غارِحراء سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور سے کہ جس کے بعد انہیں توریت ملی، جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ملا، اقرأ باسم، حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ مراقبہ ہمیں ملا۔

حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ ولسلام کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ وہ بیت المقدس کی مسجد تعمیر کروا رہے ہیں، جناتوں سے کام لے رہے ہیں اوران کی خلوت کا وقت آ گیا۔ خلوت میں اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اس طرح کہ جہاں کام ہو رہا ہے وہاں سے جنات دیکھ سکتے ہیں کہ یہ حجرہ ہے ہمارے نبی کا، حضرت سلیمان کا، اوراس حجرہ میں تخلیہ میں ہیں۔ وہاں خلوت ان کی کئی دنوں کی نہیں، کئی مہینوں اور سالوں کی ہوتی تھی۔

قرآن کہتا ہے کہ تَأكُلُ مِنْسَأتَه کہ اب جنّات کام کررہے ہیں کہ ابھی خلوت سے باہر آئیں گے، نکلیں گے، ہماری حاضری لیں گے، کتنا کام ہوا؟ کہاں ہم نے چھوڑا تھا خلوت میں جانے سے پہلے؟ تو جلدی جلدی سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تو وہاں کوئی کھڑکی بھی ہوگی جہاں سے وہ کام کو ملاحظہ فرماتے ہوں گے۔

جب طویل زمانے تک یہ کام کرتے رہے، ایک دن دیکھا کہ روز ہم دیکھتے تھے کہ حضرت

سلیمان علیہ السلام اپنی کرسی کے اوپر تشریف فرما ہیں اور لاٹھی پر گردن ٹیکے ہوئے مراقبہ میں ہیں، استغراق میں ہیں۔

ایک دن دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کرسی پر تو نہیں ہیں، تو جھانک کر دیکھا تو نیچے زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ کیسے گرے؟ کہ وہ لاٹھی جس کے اوپر ٹیک لگائے ہوئے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام، اس کو دیمک نے کھالیا اور اس سے وہ لکڑی ٹوٹ کر گری اور سہارا ختم ہو گیا، تو آپ بھی نیچے گر گئے۔ تب اندر جا کر دیکھا کہ یہ تو مدتوں پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو اس مسجد کی تعمیر منظور تھی، اس کی تکمیل منظور تھی، اس لئے ایک وقتِ موعود پر اس کیڑے نے دیمک نے لکڑی کو کھایا اور لکڑی ٹوٹی اور سلیمان علیہ السلام کی میت زمین کے اوپر گر گئی۔ تب ان کو پتہ چلا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا ہے۔

کتنی لمبی خلوت؟ کتنا لمبا مراقبہ؟ تو یہاں سے صوفیاء کرام نے یہ مراقبے لئے اور اس میں بھی وہی تفکر اور مراقبہ، اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان اتنا دل میں بسائے، اتنا بسائے کہ اپنے آپ سے بھی کھو جائے اس کو پتہ نہ رہے کہ میں کہاں ہوں اور یہ مسجد ہے، یہ دیوار ہے، یہ فرش ہے، آپ ہیں، میں ہوں، کسی چیز کو نہ پہچانے، اپنے آپ کو نہ پہچانے۔

اس پر مجھے ہمارے بزرگ یاد آئے۔ پانچ سو برس پہلے کی کتاب ہے، وہاں ایک مزار سورت میں ہے، خوب صاحب کی مسجد میں ہے، جہاں ہمارے قاری یعقوب صاحب امام بھی رہے ہیں، تو وہاں مزار ہے خوب صاحب کا۔ تو شاید یہی ہوں یا یہ ان کا جن کی یہ کتاب ہے خوب ترنگ، پندرہ سو اٹھتر (۱۵۷۸ء) میں کتاب انہوں لکھی، 1578 عیسوی انگلش تاریخ کے حساب سے۔ تو پانچ سو برس پہلے انہوں نے یہ خوب ترنگ کتاب لکھی تھی۔ ان کا، خوب محمد صاحب کا انتقال ہوا تھا احمد آباد میں، تو ممکن ہے کہ وہاں سے سورت لا کر دفن کیا ہو یا انہیں کے سلسلہ کے پوتے، نواسے خاندان کے کوئی دوسرے، ہم نام بزرگ ہوں۔

شیخ چلی

بہر حال وہ اس اپنی کتاب میں شیخ چلی کا ایک قصہ لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ شیخ چلی ہر وقت استغراقی کیفیت میں رہتے تھے۔ اگر کوئی مراقبہ میں ہو، گردن جھکا کر تنہائی میں بیٹھا ہو، وہاں تو کوئی آدمی جا سکتا ہے، مگر یہ چلتے پھرتے تھے، پھر بھی ان کو کوئی پتہ نہیں ہوتا تھا اطراف اور ماحول کا کہ میں کون ہوں، کہاں پر ہوں۔

چار کمرے تھے ان کے گھر کے۔ تو ایک کمرے کی چھت کے اوپر وہ کھڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے گنتے ہیں، اچھا ایک، دو، تین۔ جس چھت پر وہ کھڑے ہوئے تھے، اس کو بھول گئے اس کو نہیں گن رہے ہیں۔ تو پھر اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ میرے مکان کے تو چار کمرے ہیں، چوتھا کدھر گیا؟ اوہو! وہ کہیں روٹھ کر چلا تو نہیں گیا۔

اسی حال میں بے خودی میں اوپر سے نیچے اترے، بھاگ رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت، کدھر جا رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہمارا ایک مکان روٹھ کر چلا گیا، اس کی تلاش میں ہوں۔ تو شریر لوگ بھی ہوتے ہیں، بزرگوں کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ تو کسی شریر نے کہا کہ ادھر میں نے جاتے ہوئے دیکھا تھا، تو اُدھر گئے۔ اب وہ بھاگتے دوڑتے روٹھے ہوئے مکان کی تلاش میں ہیں۔

تلاش کرتے کرتے جب تھک گئے اور گرمی کی وجہ سے پریشان ہو کر سامنے مسجد تھی اس میں تشریف لے گئے اور حوض پر وضوء کے لئے بیٹھے، تب پانی میں اپنا عکس نظر آیا۔ شیشہ اور آئینہ کی طرح جس طرح ہم آئینہ روز دیکھ کر سنورتے ہیں، تو اپنی صورت دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ تو کون؟ اگر تو میں ہوں، تو میں کدھر؟ اپنا بھی پتہ نہیں کہ تو کون اور میں کون؟ اپنی تصویر سے پوچھ رہے ہیں کہ تو کون؟

زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی تصویر دیکھی

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا قصہ پہلے بھی سنایا ہوگا کہ جب حضرت کے دانت ڈینٹسٹ

dentist بنا کر سہارنپور لے کر آئے اور چوکھٹا حضرت کے منہ میں رکھا، پوچھا کہ آپ کو کوئی الجھن تو نہیں، یہ ٹھیک ہے؟ اس کے بعد انہوں نے کپڑے کے تھیلہ سے آئینہ نکالا۔ جب آئینہ حضرت کے سامنے کیا تو حضرت نے فرمایا اوہو! حضرت نے زندگی میں پہلی مرتبہ آئینہ میں اپنی تصویر دیکھی۔ اب اپنے آپ سے کتنے بے تعلق؟ اپنے آپ سے کتنی نفرت؟ اور اپنے وجود سے کتنے متنفر حضرت؟ تو میں نے کہا تھا کہ معترضین اشکال کریں گے کہ حضرت مونچھ تو بناتے ہوں گے؟ کیسے بناتے ہوں گے؟

وہاں سہارنپور میں نائی جمعہ کے روز آتا تھا۔ سب مجمع کے سامنے، مجلس ہو رہی ہے گاؤں والوں کی، ساڑھے گیارہ بجے تک کا وقت متعین ہوتا تھا، مجلس کا وقت، گیارہ سے ساڑھے گیارہ جمعہ کے دن کا تھا، پوری سہ دری اور مسجد بھری ہوئی ہوتی تھی سب عمامے والوں سے، سب گاؤں کے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے سینکڑوں کی تعداد میں آتے تھے، ان کے یہاں جمعہ نہیں ہوتا وہاں گاؤں میں، تو شہر میں آ کر سہارنپور میں حضرت کے یہاں جمعہ پڑھتے تھے۔

نماز کے بعد پھر کھانا کھا کر جاتے تھے۔ تو وہ سب بیٹھے ہوئے ہیں، اور نائی آجاتا تھا، وہ حضرت کی حجامت بناتا تھا۔ ساری دنیا میں آئینہ کا استعمال ہے، اور حضرت بھی بڑے شہر میں رہ رہے ہیں، کوئی جنگل میں نہیں، قدم قدم پر سہارنپور میں دکانیں ہیں، مگر زندگی میں پہلی دفعہ تصویر دانت کے ڈاکٹر کے آئینہ میں دیکھی۔

شیخ چلی کا قصہ خوب ترنگ میں لکھا ہے کہ پانی میں عکس دیکھ کر سوال کرتے ہیں کہ اگر تو میں ہوں تو میں کدھر؟ ہو بہو یہ قصہ مولانا روم نے بھی لکھا ہے ایک ہی طرح کا ہے۔

ایک علاقہ روم نامی ترکی میں بھی ہے۔ اور ان کی کتاب ''مثنوی'' ہے۔ تو اس میں انہوں نے ایک ترک بزرگ کے نام سے قصہ لکھا ہے کہ وہ سفر پر تھے، سفر کرتے ہوئے ایک جگہ قیام کیا۔ جس طرح آج کل ہوٹل ہوتے ہیں، تو سرائے میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ سرائے میں بھیڑ ہے، کافی لوگ ہیں۔ تو کچھ پریشان ہوئے کہ میں کہاں آگیا؟ پھر ان کو اپنا فکر ہو گیا کہ یہ اتنا بڑا

مجمع ہے، اس کے اندر اگر میں کھو گیا تو کیا ہوگا؟ تو انہوں نے پھر اس کی تدبیر یہ سوچی کہ ایک کدّ و لمبا سا لیا (دودھی)، کدّ و لے کر اپنے پیر کے ساتھ باندھ دیا، تا کہ اگر میں اس مجمع میں کھو گیا، تو میری پہچان ہوگی کہ پیر پر کدّ و بندھا ہوا ہے۔

آج کل کی طرح جیسے ہوٹل ہوتے ہیں الگ الگ کمرے تو ہوتے نہیں تھے۔ سرائے کے معنیٰ وہ پورا ایک ہال ہے جس میں ایک چارپائی آپ کے لئے ڈال دی، ایک ان کے لئے ڈال دی، سب وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ تو کوئی ان کو دیکھ رہا تھا کہ وہ گئے، کدّ و لائے اور کدّ و اپنے پیر سے باندھ رہے ہیں۔ تو بیچارے تھکے ہارے، دور کی مسافت طے کر کے آئے تھے، وہ تو پڑے اور سو گئے۔ یہ سب کچھ جس نے دیکھا اس کو شرارت سوجھی۔ اس نے کیا کیا؟

جب اچھی طرح سو گئے، خراٹے لینے لگے، تو اس شخص نے رسّی کھولی آہستہ، آہستہ، آہستہ اور کدو نکال لیا اور اپنے پیر کے ساتھ باندھ کر پاس والی چارپائی تھی، اس کے اوپر وہ لیٹ گیا۔

جب ترک بزرگ کی آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو دیکھتے ہیں، تو اپنی پہچان کے لئے دیکھا کہ پیر میں کدو تو نہیں ہے۔ پاس والے کو دیکھا کہ اس کے پیر میں کدو بندھا ہوا ہے۔ تو پوچھتے ہیں کہ وہ اگر تو میں ہوں تو پھر میں کون ہوں؟

یہ ہو بہو وہی سوال، اللہ والے کتنے قصوں سے ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں اے پاگلو! تم اپنے خودی میں کیوں اتنے مست اور مگن ہو کر اپنا سب کچھ کھو بیٹھے ہو؟ بھلا دو اپنی خودی کو بھی۔ اپنے آپ کو بھی جب بھلا دو گے، تب تم اس ایک اللہ کو پہچان سکو گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معرفت نصیب عطا فرمائے۔

حضرت شمس الدین ترک اور حضرت علاء الدین رحمۃ اللہ علیہما

یہ جو ہم نے یٰسین پڑھی، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں سالہا سال یہ معمول رہا ہے۔ حضرت کے یہاں عشاء کی نماز کے بعد اس کا معمول تھا اور حضرت کی مسجد میں عام دنوں

میں مہمان کم ہوتے تھے اور اس ختمِ یٰسین کی تعداد چالیس دفعہ ہے کہ چالیس دفعہ یٰسین پڑھی جائے اس کے بعد دعا کی جائے، تو چالیس یٰسین ہوئی یا نہیں اس کے لئے خدام میں سے کوئی گنتا تھا، تو سب پڑھنے والے اشارہ کرتے تھے۔ کوئی ایک انگلی اٹھاتا تھا کہ میں نے ایک دفعہ پڑھی، کوئی دو، کوئی تین۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ کہتا کہ ابھی پانچ کم ہیں، تو الحمدللہ اِس بڑے مجمع میں تو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں، چالیس سے زیادہ ہی ہوئی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے طریق پر ہمیں رکھے۔

عاشق اور معشوق

آج کا موضوع ایک مرشد اور ایک مرید، عاشق اور معشوق۔ حضرت شمس الدین ترک، یہ مرید، اور ان کے پیر پیرانِ کلیر حضرت علاء الدین احمد کلیری، کلیر شریف میں آپ کا مزار ہے۔

یہ رشتہ ارادت جس طرح کہ میں نے بتایا عاشق اور معشوق سے بھی بہت آگے کا ہے۔ ابھی یہاں آنے سے پہلے عصر کے وقت میں نے بھائی صاحب کو، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کو فون کیا کہ آپ کا تو اعتکاف شروع ہو جائے گا، میں تو ویسے ہی آوارہ ہوں، تو اعتکاف اہلیہ کی بیماری کی وجہ سے میں تو نہیں کر سکوں گا، مگر آپ شاید فون پر ملیں، نہ ملیں، اس لئے میں نے فون کیا، تو پھر دیر تک سہارنپور کی باتیں ہوتی رہیں۔ جب بھی فون ہوتا ہے تو ماضی کی پرانی باتیں یاد آجاتی ہیں۔

گفتگو میں ذکر آیا کہ بھائی صاحب کہنے لگے کہ ایک دفعہ میں پہنچا حضرت کے پاس، تو سلام مصافحہ ہوا، دعائیں ملی اور حضرت بڑے خوش ہوئے۔ اور اس کے بعد پھر شام کو حضرت نے ایک فقرہ فرما دیا کہ بھئی، تم کہاں رہے؟ اب بھائی صاحب فکر میں، پریشان، کہ حضرت نے کب طلب فرمایا، کب میں موجود نہیں تھا؟

اب ان کی تو اگر تشبیہ دی جائے بادشاہوں کے جلال کے ساتھ، اور شاہی نزاکتوں اور نخروں

کے ساتھ، تو یہ تو ان کی توہین ہے، وہ بھی ان کے سامنے کچھ نہیں ہوتے۔ اِن کو تو پوچھ بھی نہیں سکتے کہ کیوں ناراض ہیں؟ اسی لئے جب کبھی ایسا ہوتا تھا تو پھر منانے کے لئے لگے رہنا پڑتا تھا۔

ہمارے حضرت صوفی اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑا اچھا جملہ ایسے موقع پر فرماتے تھے کہ آپ ناراض رہنا چاہتے ہیں، لیکن ہم آپ کو ناراض نہیں رہنے دیں گے۔ یعنی بالکل قریب جا کر نہیں، مگر ایسے کہ ذرا سی آواز ادھر بھی پہنچ جائے، سن بھی لیں۔ تو ایسے ہی بھائی صاحب کیا کرتے تھے۔ جب ذکر ہوا تو ذکر میں کبھی ان کی عادت ہے، ترنم سے اشعار پڑھنے کی، تو اُس میں آٹھ دس اشعار خطاب کر کے پڑھ دیئے:

تمہارا پیار کا وعدہ کیا ہوا

وہ زور زور سے روتے جاتے، پڑھتے جاتے۔ جب ذکر ختم ہوا تو حضرت نے پھر بلایا کہ عبدالرحیم کو بلاؤ۔ گئے۔ حضرت نے فرمایا، میں نے تجھے تلاش کروایا تھا۔ حضرت، میں تو اپنے ہی بستر پر فلاں جگہ تھا۔ حضرت نے فرمایا، میں نے تو ڈھنڈوایا تھا، تو تھا ہی نہیں۔ جواب دیا، نہیں، یہیں تو تھا میں۔ حضرت نے فرمایا، میّا کے پاس چلا گیا تھا؟ اہلیہ بھی ساتھ تھی، اس کو میّا فرماتے ہیں۔ میّا کے پاس چلا گیا تھا؟ تو یہ بڑی پر لطف زندگی ان لوگوں کے ساتھ گذرتی ہے، بڑی پر لطف۔ اسی لئے میں نے مرشد اور مرید کو عاشق اور معشوق سے تعبیر کیا۔

عالم استغراق

اور اسی تعلق سے وہ ساری چیزیں پھر منتقل ہوئیں کہ حضرت پیرانِ کلیر حضرت علاء الدین صابر پیا کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں، تو یہ آپ بارہ برس رہے ہیں استغراق، غلبۂ حال، کہ نہ دیکھتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ کوئی حاجت ہے، ہر وقت او پر لو لگی ہوئی ہے۔

اور میں نے کل اشارہ کیا تھا کہ جو اس دولت سے محروم ہوتے ہیں، جو اس کو سمجھ ہی نہیں پاتے

کہ اتنا لمبا استغراق، لمبا غلبۂ حال ایک دن، دو دن، ایک مہینہ، سالہا سال کیسے کرتے ہوں گے؟ تو کسی نے کہہ دیا، جوگیوں سے لیا، کسی نے اور کچھ کہا۔

کل میں نے ایسے لوگوں کے ایک دو جملے نقل کئے تھے۔ اور کسی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ پنک میں رہنے والے، یہ چرسی، انہوں نے اپنی طرف سے الزامات تراش لئے دل میں کہ بھئی، اتنا لمبا مراقبہ تو جب ہی کیا جا سکتا ہے کہ کچھ کسی وقت پی لیتے ہوں گے، بھنگ پیتے ہوں گے، چرس پیتے ہوں گے کہ جس سے گردن جھک جاتی ہوگی۔ ان کم بختوں کو کیا پتہ کہ یہ نشہ تو اترتا ہی نہیں، اور بھنگ کا نشہ تو کتنی کوئی تیز سے تیز پی لے تو کسی نہ کسی وقت اتر سکتا ہے، یہ تو اترتا ہی نہیں مرنے کے ساتھ ہی اترے گا۔

یہ حضرت صابر پیا کلیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ چیز تھی سالہا سال استغراق میں ہیں۔ پھر ان سے یہ دولت حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو ملی۔ ان پر بھی یہی غلبۂ حال تھا، حالانکہ بڑے زبردست علامہ تھے۔ پھر ان سے یہ نسبت منتقل ہوئی حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں۔ ان کو نماز کے لئے جگایا جاتا تھا۔ خود ان کو بھی حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نماز کے لئے، نماز، نماز، بار بار ان کو ہلا کر کان میں خادم کہتا تب جا کر بہت دیر کے بعد ان کو احساس ہوتا تو کہتے کہ اچھا اچھا، نماز تو بھئی پڑھنی ہی ہے۔

اگر یہ اعتراض کرنے والے تھوڑا سا انصاف کی نظر سے اس کو دیکھتے، تب سمجھ پاتے۔ لیکن وہ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو اس درجہ کا استغراق کہ دنیا کا پتہ نہیں، دنیا مافیہا سے بالکل بے خبر، کیسے ہو جاتے ہوں گے؟

وہ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ شریعت ہم سے خشوع کا دو منٹ کے لئے مطالبہ کرتی ہے۔ نماز میں اللہ اکبر نیت باندھی کہ ہاتھ سے اشارہ اس طرف کہ الٰہی! میں نے دنیا کو پیچھے پھینک دیا۔ کسی نے کہا کہ یہ میں نے دنیا و مافیہا سے ہاتھ اٹھا دئے ہیں۔ آپ کا غلام، تابعدار سب چھوڑ کر حاضر ہوں۔ جس طرح آپ مجھ سے کہیں، میں خدمت کے لئے تیار ہوں۔

یہ تمام تعبیرات اس کی کہ دنیا اور مافیہا کو خیر باد کہہ کر کے کہا، اللہ اکبر۔ تو وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو اتنی دو منٹ کی نماز میں اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتے، اپنے دل کو مشغول نہیں کر سکتے۔ ادھر نیت باندھی اور ہر چیز کا خیال آئے گا، دکان کا، تجارت کا، بیوی کا، بچہ کا، دوست کا، گناہ کا، شیطانی اور نفسانی تمام وسوسے اور خیالات دل میں پہلے سے زیادہ آنے شروع ہوں گے جو نماز سے پہلے نہیں تھے۔ ہم تو اتنی دیر نہیں صبر کر پاتے اور ان کو، سالہا سال کہتے ہیں کسی چیز کا پتہ نہیں۔ تو کچھ چرس ورس کھائے پیئے بغیر تھوڑے ہی اس طرح رہ سکتے ہیں کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں۔

وہ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ یہی مطالبہ ہر عبادت میں ہے۔ نماز میں تو چند منٹ بھی لگتے ہیں، مگر یہی مطالبہ زکوٰۃ میں بھی ہے، صدقات میں بھی ہے کہ صرف دینا اور لینا ہے۔ ایک لمحہ آپ نے دیا، اس نے لے لیا۔ تو اتنی دیر کے لئے شریعت نے شرط لگائی کہ وہ جو کچھ دے صرف اللہ کے لئے دے، اور نہ ریا ہو، نہ دکھاوا ہو، نہ کسی کو دکھانا، نہ اپنی سخاوت کا اظہار، نہ اس پر جس کو دے رہے ہیں اس پر توقّع کا خیال واظہار ہو۔

تینوں رات کا صدقہ قبول

اسی لئے جب یہ سنا کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ یہ صدقات اور زکوٰۃ کا ادب یہ ہے کہ اس طرح اس کو دیا جائے کہ کسی کو پتہ نہ چلے، صرف اللہ کے ساتھ اس وقت لو لگی ہوئی ہو، اس کو بتا رہا ہو کہ الٰہی! میں تجھے خوش کرنے کے لئے دے رہا ہوں اور بس۔

اسی لئے ایک آدمی اس پر عمل کرنے کی نیت سے رات کے وقت رقم لے کر چلا۔ تو اس نے راستہ چلتے کسی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ صبح بڑا مشہور چور اور ڈاکو جو تھا اس نے شور مچایا، وہ کہنے لگا، کہ آج تو حد ہو گئی۔ میں تو نکلا تھا کہیں شکار کے لئے، چوری کے لئے اور چپکے سے مجھے کوئی اتنی بڑی رقم میرے ہاتھ میں دے کر چلا گیا۔ تو لوگ کہنے لگے واقعی کمال ہو گیا، تُصُدِّقَ عَلٰى

سَـارِق۔تواب وہ اسی آبادی میں وہ صدقہ دینے والا بھی،اس نے جب سنا تو اس نے لاحـول پڑھی کہ لاحول، یہ صدقہ تو بیکار چلا گیا۔

پھر دوسری رات پھر نکلا۔ اس نے سوچا کہ یہ مرد چور ہوتے ہیں،عورتیں چوری نہیں کرتی ہوں گی۔ گھر توڑ کر گھر میں چوری کے لئے داخل ہوں، اتنی بہادر اور جری عورتیں کم سنی گئیں۔ حرم شریف میں تو اس چوری وغیرہ کا مستورات میں بھی بڑا خطرہ رہتا ہے۔اس نے سوچا کہ مرد عام طور پر چوری کرتے ہیں،عورتیں نہیں سنی گئیں،تو اس نے اندھیرے میں دیکھا کہ کوئی خاتون جارہی تھی اس کو تھما دیا۔ پھر صبح شور ہوگیا کہ وہ عورت کہنے لگی میرا حال تو سب کو معلوم، وہ رنڈی مشہور تھی۔ اس نے کہا کہ میں تو زانیہ مشہور ہوں اور مجھے آج رات کوئی رقم دے گیا۔تو وہ آدمی سوچنے لگا کہ الٰہی، میں کیا کروں؟

پھر اس نے کوشش کی کہ ایسی جگہ پر کہ جہاں ایسے غلط ہاتھ میں جانے کا اندیشہ نہ ہوتو اس نے تیسری رات پھر چپکے سے کسی کو دے دیا۔تو صبح پھر شور ہوا،کوئی مالدار آدمی کہنے لگا کہ چلتے ہوئے جلدی میں کسی نے مجھے کوئی چیز تھما دی۔ میں نے دیکھا کہ مجھے کسی نے صدقہ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ یہ تینوں رات کا صدقہ اس شخص کا قبول ہے اور ہم نے خود اس کا انتظام کیا کہ پہلی رات چور کے ہاتھ میں اس لئے پہنچایا تا کہ وہ اپنی اس عادت سے توبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ حلال طریقہ سے باعزت طریقہ سے بھی دیتے ہیں، میں پھر کیوں چوری کروں۔اور یہ زانیہ کے لئے پیغام تھا کہ وہ اپنے اس پیشہ سے باز آجائے کہ اللہ تعالیٰ اس ناجائز طریقہ اور حرام کاری کے بجائے عزت سے بھی دیتا ہے۔اور مالدار کے ہاتھ میں ہم نے پہنچایا تو اس کے لئے پیغام تھا کہ میرے پاس اتنی دولت ہے اور میں تو کسی کو دیتا نہیں ہوں۔اور اللہ کے نیک بندے مال والے ایسے ہیں کہ چپ چاپ کسی کو پتہ نہ چلے۔اس طرح سخاوت کرتے ہیں۔

باپ بیٹے کا قصہ

صحابہ کرام نے جب یہ سنا تو اس پر بھی عمل کرنے کی انہوں نے کوشش کی، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ حضرت معن ابن یزید اپنے گھر پہنچے، فجر کی نماز پڑھ کر انہوں نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے تو ابھی فجر کی نماز کے وقت اندھیرے میں کسی نے یہ ہدیہ دیا اور اتنی بڑی رقم مجھے دی۔ تو ابا جان کہنے لگے کہ لاؤ، وہ تو میں ہی تھا، میں نے ہی دیا تھا کہ اس میں اخفاء مطلوب ہے کہ چپکے سے دینا چاہئے۔ تو مجھے کیا پتہ کہ اندھیرے میں کہ میں اپنے بیٹے کو دے رہا ہوں؟

انہوں نے کہا، ابا جان، میں نہیں دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں قصہ پہنچا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے دونوں کی فریاد سنی۔ ارشاد فرمایا **لَکَ مَا اَخَذْتَ یَا مَعْنُ وَلَکَ مَانَوَیْتَ یَا یَزِیْد**، ابا جان سے فرمایا کہ بھئی، تم نے جس نیت سے دیا تھا، وہ ثواب مل گیا چپکے سے دینے کا اور بیٹا اس کا مالک ہوگیا۔

اب یہ معترضین اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ ہم کوئی چیز اول تو دے نہیں سکتے اور دیتے ہیں، تو یہ جو دنیا اپنے سے جدا کرتے وقت، نکالتے وقت جو اس کے آداب ہیں، صرف ایک لمحہ کے لئے وہ ادب اختیار کرلیں یہ مشکل بن جاتا ہے۔ اور سالہا سال جنہوں نے استغراق میں گزارے، ان کا یہ حال ہے کہ ان کے لئے ساری دنیا لٹانا آسان ہوجاتا ہے۔

یہ جو کچھ ہے لے جاؤ

ہمارے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے جب ان پر غلبۂ حال ہوا تو اعلان کردیا کہ یہ جو کچھ دوکان کا سامان ہے، بہت بڑی تجارت تھی، فرمایا سب کچھ لے جاؤ۔ جس کا جو جی چاہے لے جائے۔

سب چیزیں جارہی ہیں، سب چیزیں لوگ لے گئے اور زمین رہ گئی، کافی بڑی زمین تھی،

فرمایا کہ جو چاہے وہ زمین بھی لے سکتا ہے۔ پھر کسی نے چپکے سے دستخط کروالئے، اپنے نام زمین کروالی۔

چہار گوشہ ٹوپی: چہار ترک

معترضین سوچتے ہیں کہ کیسے دنیا سے اس قدر ان کو نفرت ہو جاتی ہے، بے تعلق ہو جاتے ہیں؟ تو یہ ایسے کہ حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بیعت ہوئے۔ ان کے بعد پھر ان کے خلیفہ سے بھی، حضرت علاءالدین صابر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیعت کی۔

انہوں نے اس زمانہ میں جب کوئی طریق میں داخل ہوتا تھا، تو ترکِ دنیا کے لئے اگر اس کے بال ہوئے تو بال کٹوائے جاتے تھے، سر منڈوایا جاتا تھا، اور اس کے بعد ٹوپی عنایت ہوتی تھی۔ تو یہ آپ نے دیکھی ہوگی کہ ایک قسم کی ٹوپی آج کل لوگ پہنتے ہیں اس کے چار حصے ہوتے ہیں، چار ٹکڑے جوڑ کر سئے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی پانچ جوڑ والی استعمال کرتے ہیں، تو اس کو تو وہ جانے پانچ والا، لیکن یہ جو چار والی ہے تو اس کو کہتے ہیں چہار ترک والی، چار چیزوں کے ترک کرنے کی طرف اشارہ ہے، ترکِ خوردن، ترکِ خفتن، ترکِ گفتن، اور ترکِ اختلاط کردن۔

۱۔ کہ ترکِ خوردن: ترک طعام، کھانا بند۔ میں نے کل قصہ بتایا تھا کہ چالیس دن میں چالیس بادام، ایک دن میں صرف ایک بادام کھاتے۔ اور پھر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی غذا کل عرض کی تھی۔

۲۔ اور ترکِ گفتن: کہ بولنے پر پابندی، زبان بند رکھو۔ پچھلی شریعتوں میں ان کے یہاں باقاعدہ چپ کا روزہ ہوتا تھا، جس طرح ہمارا روزہ اکل، شرب اور جماع کو ترک کرنے کا نام روزہ، تو ان کے یہاں چپ کا روزہ تھا۔ صمت کا حکم تھا، ہر وقت چپ رہو۔

۳۔ترکِ خفتن : ترکِ منام کہ نیند چھوڑ دو جاگتے رہو۔ کہ کھانا پینا چھوڑ دو، اس کی وجہ سے سستی پیدا ہوتی ہے، آدمی پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور

۴۔ترکِ اختلاط : ترکِ اختلاط مع الانام۔مخلوق کے ساتھ میل جول ترک کر دینا، تو ان کے یہاں یہ تمام چیزیں ترک کروائی جاتی تھیں۔

مگر ہمارے بعد کے مشائخ نے دیکھا، اس کو ہماری شریعت کے ساتھ منطبق کیا اور ان کو ترک کرنے کے بجائے اس میں کمی تجویز کی، اس لئے انہوں نے تعبیر بدلی کہ

۱۔قلتِ طعام

۲۔قلتِ منام

۳۔قلتِ اختلاط مع الانام،

۴۔قلتِ کلام۔تو پہلے دن سے وہ ٹوپی دے کر کے ان چیزوں کی پابندی کروائی جاتی تھی اور پھر اس کی نگرانی ہوتی تھی کہ یہ تمام چیزیں انہوں نے چھوڑی یا نہیں، ان میں کمی ہوئی یا نہیں۔

صرف ایک چیز کی پابندی

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ رمضان المبارک میں روز اعلان فرماتے تھے کہ میرے پیارو! میرے یہاں کسی چیز کی پابندی نہیں، نہ کھانے کی، نہ پینے کی، نہ سونے کی۔ صرف ایک چیز کی پابندی ہے، وہ یہ کہ بے ضرورت کسی سے بات مت کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان مشائخ کے طریق کا اتباع ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

ترک اور تقلیل خواہشات

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کس کس طریقہ سے بزرگوں نے کوشش کی ،مختلف طریقوں، مختلف علاج ،مختلف تدابیر کے ذریعہ کہ کس طرح دل کو مالکِ حقیقی کے ساتھ وابستہ اور پیوستہ اور اس کی یاد میں مشغول کیا جائے؟ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

کی طرف سے چہار گوشہ ٹوپی عنایت ہوئی اور اس کا مطلب بتایا گیا کہ چہار گوشہ کہ چار ترک:

۱۔ترکِ طعام،

۲۔ترکِ منام،

۳۔ترکِ اختلاط مع الانام،

۴۔ترکِ کلام۔

بزرگوں نے پھر ترک کے بجائے قلت تجویز فرمائی:

۱۔قلتِ طعام،

۲۔قلتِ منام،

۳۔قلت کلام،

۴۔قلت اختلاط مع الانام۔مشائخ نے زمانہ کے اعتبار سے پھر نسخہ بدلا کہ ہمارے قویٰ بالکل چھوڑنے کے متحمل نہیں، ورنہ انہوں نے خود تو بالکل چھوڑا تھا، ترک پر عمل کیا تھا۔

حضرت سلیمان ، حضرت موسیٰ علیہما السلام کی خلوت

حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی خلوت تو ہوتی تھی کئی دنوں اور مہینوں کی نہیں، سالوں کی۔اسی لئے تو جنّات کام کرتے رہے۔وہ خلوت میں ہیں، مراقبہ میں ہیں۔اور وہ جب دیمک نے ان کے عصا کو کھالیا، اور وہ ٹوٹ کر عصا گرا اور وہ خود بھی گرے، تب جنّاتوں نے سمجھا کہ یہ تو مدتوں پہلے انتقال کر چکے تھے۔

اسی لئے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھئے کہ کہاں دور سب چھوڑ چھاڑ کر کے کوہِ طور پر جانے کا حکم ہوا کہ وہاں کلام بھی نہ ہو، طعام بھی نہ ہو، اختلاط بھی نہ ہو، پھر وہاں منام اور نوم کا تقاضا بھی نہیں ہوگا۔کھانا، پینا ہی اس کا اصل سبب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از نبوت حیات طیبہ کا حال بتایا تھا کہ غارِ حراء میں ہر سال ماہ رمضان کے اعتکاف کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

اس زمانہ کا غارِ حراء جنگل بیابان میں، اور پہاڑ کی چوٹی پر، وہاں نہ کھانا، نہ پینا، اور حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کبھی لے کر جاتیں اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود لینے کے لئے تشریف لاتے، وہ بھی کئی کئی دنوں کے بعد، کئی کئی دن تو ویسے ہی گزرتے ہوں گے۔

یہاں سے صوفیاء نے خلوت کو لیا۔ اب یہ ہماری نماز جس میں حکم ہے کہ سب کو بھلا دو، ایک اللہ کے لئے پڑھو۔ تو ہم کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ اور تھوڑی دیر کے لئے بھی ہم سے خشوع کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا۔

ایک رکعت، ایک سجدہ

جیسا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو لکھا کہ جیسی نماز مطلوب ہے، زندگی بھر کوئی ایک رکعت بھی ایسی نصیب نہیں ہوئی، دعا فرمائیں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم تو ایک رکعت کو لکھتے ہو، ہمیں تو کوئی ایسا ایک سجدہ بھی نصیب نہیں ہوا، زندگی بھر میں ایک سجدہ بھی نہیں۔ تم ایک رکعت کو روتے ہو، ہم سے تو ایک سجدہ بھی نہیں ہوا کہ جس پر ہم اعتماد کر سکیں کہ شاید یہ زندگی میں ایک سجدہ ایسا ہو گیا ہے جو وہاں کام آئے گا۔

زکوٰۃ کے لئے بتایا تھا کہ اس وقت تھوڑی دیر کے لئے، ایک لمحہ کے لئے دیتے وقت، دل کو خالی کرنا ہے مگر وہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے فرمایا گیا **اوّل مَنْ تسجّربهم نار جهنم**، اللہ اکبر! تو اس میں سب سے پہلا عالم کو پھینکا جائے گا، سب سے پہلے مجاہد کو پھینکا جائے گا، سب سے پہلے اس سخی کو پھینکا جائے گا کہ تم نے جس لمحہ زکوٰۃ دی تھی تو اس وقت تمہارا ارادہ اور نیت تمہاری

کیا تھی؟ تو اتنی دیر کے لئے ہم فارغ نہیں کر سکتے اپنے دل کو غیر اللہ سے، تو یہ ہماری نماز کا حال، یہ زکوٰۃ کا حال ہے۔

مقبولانِ بارگاہِ ایزدی

حج کے متعلق لکھا ہے کہ فلاں سن میں اتنے لاکھ حجاج عرفات میں جمع تھے۔ وہاں اللہ کے ایک بندے کو ندا آئی کہ یہ لاکھوں جو رورہے ہیں، جمع ہیں، کسی کا حج مقبول نہیں!

اب کیا ان میں کمی اور کوتاہی بظاہر رہی ہوگی، لیکن لکھا ہے کہ ندا آئی کہ سب کا حج مردود، سب کا حج مردود ہو جاتا اگر ایک شخص نہ ہوتا۔ اس ایک شخص کی وجہ سے اور وہ ایک شخص بھی لکھا ہے کون؟ کہ وہ حج کے لئے نہیں آئے۔ اور شام میں فلاں جگہ، فلاں گاؤں میں، فلاں یہ ان کا اتہ پتہ ہے، وہ وہاں ہیں۔ ان کی وجہ سے، ان کی برکت سے سب کا حج مقبول ہو گیا۔

اب یہ جب حج سے واپس ہوئے تو جا کر انہوں نے تحقیق کی۔ اس پتہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک عامی آدمی، نیک دیندار آدمی۔ تو پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہو، کیا عمل ہے؟ کہا کچھ بھی نہیں۔ میں تو اس کا ایک گناہ گار بندہ ہوں۔

پھر بہت کچھ کھود کرید کے بعد ان کو جب کچھ نہیں ملا، تو پھر بتانا پڑا کہ ہم نے تمہارے متعلق یہ ندا سنی وہاں عرفات میں کہ تمہاری برکت سے ان لاکھوں کا حج جو مردود ہو گیا تھا مقبول ہو گیا۔ تو ایسی کیا تم میں خوبی ہے؟ تمہارا کیا عمل ہے؟ بتاؤ۔

تب ان کو بتانا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ اصل میں میں نے حج کے لئے تیاری کی تھی اور اس کے لئے سواری، نفقہ، اخراجات سب کچھ جمع کئے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کو اس حال میں چھوڑ کر تم حج کے لئے جا رہے ہو؟

بس کہتے ہیں جب میری صبح آنکھ کھلی تو میں نے وہ سارا جو کچھ اکٹھا کیا تھا، فقراء کو صدقہ کر دیا

اور میں اس طرح ہماری ماں ہیں گھر میں، ان کی خدمت میں لگا ہوا ہوں۔ تو ان کی برکت سے سب کا لاکھوں کا حج جو مردود ہو گیا تھا، مقبول ہو گیا۔ کیوں؟ ان کا حج مردود تھا، کیا کمی رہی ہوگی لاکھوں رونے دھونے والوں میں؟ کتنے عبادت گزاران لاکھوں حجاج میں رہے ہوں گے؟

حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ ایک فوجی ملازم

اس لئے صوفیاء نے سوچا کہ پہلے اسی کو ٹھیک کیا جائے، اس کے لئے پیر ومرشد نے ٹوپی عنایت فرمائی تھی حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو۔ انہوں نے اس ٹوپی کا کتنا لحاظ کیا ہوگا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ کے مقبول ترین بندوں میں سے ان کو بنایا یہاں تک کہ پھر ہر قدم پر کرامتیں ظاہر ہونے لگیں۔

انہوں نے دعا کی کہ الٰہی! میں یہ شہرت بزرگی والی نہیں چاہتا اپنے لئے کہ وہ اس کو فضیحت اور رسوائی سمجھتے تھے۔ ہم لوگ تو اس کی طلب وتلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی عمل ایسا مل جائے کہ جس سے یہ القاء ہونے لگے، یہ ہونے لگے۔ اس کو وہ اپنے لئے فضیحت اور رسوائی سمجھتے تھے۔ چنانچہ گمنامی کے لئے انہوں نے استخارہ کیا اور اس کے بعد اپنے لئے عام فوجی کی حیثیت سے ملازمت منتخب کی۔ سلطان بلبن، غیاث الدین بلبن کی فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ جس طرح عام ملازم ہوتے ہیں، ایک ملازم آپ بھی ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں کو اس طرح کہیں چھوڑتے نہیں ہیں۔ بہت بڑی فوج پڑی ہوئی ہے، کہیں سفر میں منزل کئے ہوئے ہے، سب ٹھہرے ہوئے ہیں، بادشاہ سلامت بھی ساتھ ہیں۔ رات کے وقت زبردست آندھی چلی۔ اب ہمارے زمانہ کی طرح انتظامات تو تھے نہیں، اگرچہ وہ لوگ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ تھے، مگر ان کے یہاں جو بجلی اور پانی گرم کرنے کا اور ان چیزوں کا انتظام وہ پرانے طرز پر ہوتا تھا تو شمعیں جلی ہوئی ہیں۔ جب آندھی چلی تو شمعیں کہاں رہ سکتی ہیں؟

شمع سے شمع روشن ہوتی ہے، دل سے دل روشن ہوتا ہے۔ تو انہوں نے کوشش کی کہ چقماق کے ذریعہ پھر دوبارہ روشنی کریں۔ بادشاہ سلامت کا خیمۂ خاص بھی اندھیرے میں ہے۔ مگر وہ برف والی سردی، تو کسی طرح چقماق کی آگ بھی جل کر نہیں دیتی، اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ تو یہ جو خدام تھے بادشاہ سلامت کے وہ تلاش میں نکلے۔ ارے بھئی، کسی کے پاس کوئی روشنی کا انتظام ہو۔ تو سینکڑوں خیمے لگے ہوئے ہیں، سب کو چھان مارا، ہر طرف اندھیرا ہے۔ مگر ایک خیمہ میں جب پہنچے تو دیکھا کہ کونے میں ایک چراغ ٹمٹمارہا ہے۔ ایسی آندھی میں، ہوا، طوفان میں چراغ کیسے ہے؟

قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک فوجی ملازم بادشاہ سلامت کا وہ قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف ہے۔ تو وہاں سے اپنا کام تو کر لیا جلدی سے کہ شمع روشن کر لی، ان کو چھیڑا نہیں، مگر اپنے دل میں سوچا کہ یہ چاروں طرف قیامت خیز ہوائیں ہیں، اتنا طوفان ہے، اور یہ دیا کیسے جل رہا ہے؟ یہ شمع کیسے روشن؟ یہ کیوں بجھی نہیں؟ تو ضرور کوئی نہ کوئی اس میں راز ہے۔

یہ جاسوس کے طور پر، سی آئی ڈی کے طور پر پیچھے لگ گئے، اس ٹوہ میں کہ یہ کہاں جاتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ دوسری تیسری رات خدام شاہی پیچھا کئے ہوئے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ دریا کے اوپر پانی جما ہوا ہے۔ جیسا ہمارے یہاں بھی برف جم جاتی ہے، دریاؤں میں بھی پانی کی اوپر کی تہہ برف بن جاتی ہے جب سردی مائنس درجہ انجماد پر ہوتی ہے، تو دیکھا کہ برف اوپر جمی ہوئی ہے اور یہ آرام سے اس میں وضوء کر رہے ہیں۔ تو خود بھی انہوں نے دیکھا کہ ان کو تکلیف نہیں ہوتی ہوگی اتنے برف میں وضوء کر رہے ہیں۔ جب شاہی خدام نے ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ پانی تو گرم گرم ہے۔

بادشاہ سے جا کر عرض کیا کہ چلو، ایک کرشمہ آپ کو دکھاتے ہیں۔ سلطان بلبن کو لے گئے۔ انہوں نے جا کر خود بھی دیکھا۔ اس فوجی نے دعا کی اور اللہ سے فریاد کی یا اللہ! تو نے یہاں بھی میرا راز فاش کر دیا۔

حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت نے عجیب عجیب انسان بنائے ۔فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں برکتیں ہوں۔

حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد حضرت علاء الدین صابر کلیری ہیں اور ان کے پیر فرید الدین گنج شکر۔تو دونوں سے حضرت شمس الدین کو خلافت ہے،اپنے مرشد سے بھی اور دادا پیر سے بھی خلافت ہے۔

ملتان سے کلیر شریف

حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے ایک دفعہ ہندوستان کے سفر کی اجازت چاہی۔حضرت کے مزار پر ہم نے حاضری دی ہے۔وہاں ملتان میں حضرت کا مزار ہے۔ حضرت مولانا عتیقی صاحب کے ساتھ وہاں حاضری ہوئی تھی۔سہروردیہ سلسلہ کے مؤسس ہیں، ان کا بھی وہیں مزارہ۔اجازت مانگی حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک خادم نے کہ حضرت، سنا ہے کہ وہاں ہند میں آپ کے خلفاء کی بڑی بڑی خانقاہیں ہیں اور ہزاروں ان کے مریدین ہیں۔

دو بڑے حضرات تھے حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے۔ایک خلیفہ تھے سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور ایک حضرت صابر پیا کلیری رحمۃ اللہ علیہ۔چنانچہ ملتانی خادم پہلے کلیر شریف پہنچے کہ ملتان سے، پنجاب سے نزدیک پڑتا ہے کلیر شریف۔وہاں حاضری دی،تو دیکھا تو وہاں سناٹا، نہ کوئی زیادہ آنے جانے والے اور جب ملاقات کے لئے پہنچے،سلام کیا تو جواب کے بعد نہ کوئی لمبی گفتگو، نہ وصایا، نہ نصائح، نہ ہدایات۔

حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ جملہ سنا کہ آپ کے پیرو مرشد کا سلام لے کر آئے ہیں،تو حضرت صابر آنکھ کھول کر پوچھتے ہیں ہمارے مرشد خیریت سے ہیں؟ کہا خیریت سے ہیں اور سلام عرض کیا ہے۔تو حضرت شمس الدین ترک کو ایک جملہ صرف فرمایا کہ مہمان بہت

دور سے آئے ہیں، آج گولر میں نمک ڈال دینا۔ گولر ایک پھل ہوتا ہے، وہاں کا عام پھل جس کو میں اور آپ کھانا پسند نہیں کریں گے، دیہاتی قسم کی چیز، بچے اس کو تفریح کے طور پر کھاتے ہوں گے۔ تو فرمایا کہ ہمارے گولر میں آج مہمان کے خاطر تھوڑا سا نمک ڈال دینا۔ بس یہ ہوگئی خاطر، ضیافت مہمان کی۔

جب شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو حکم ہوا کہ آج گولر میں نمک بھی ڈال دینا۔ پھر وہ ملتانی مہمان یہاں سے فارغ ہو کر کے دلّی پہنچے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں۔ دیکھا کہ بہت بڑی خانقاہ ہے، ہزاروں کے لئے روزانہ کا لنگر ہے، قسما قسم کے کھانے ہیں، امراء کے لئے ان کی خواہش کے مطابق، فقراء جس طرح رہنا چاہتے ہوں، ان کی خواہش کے مطابق، اور جاتے ہی بڑا استقبال، آؤ بھگت کہ ہمارے پیر و مرشد کے یہاں سے، ملتان سے، آئے ہیں۔

خادم جب واپس ملتان پہنچے حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں، تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی تو بہت تعریف کی کہ بہت بڑا کام ہو رہا ہے وہاں، بہت بڑی خانقاہ ہے۔ اور وہاں کلیر بھی گئے، مگر وہاں تو کوئی خاص کام تو نہیں دیکھا۔

فرمایا کہ وہ کس حال میں تھے؟ کہنے لگے استغراق میں تھے۔ پس گردن اوپر اٹھتی ہی نہیں، مشکل سے تو ہمارے پہنچنے کی اطلاع انہیں دی گئی۔ کچھ بھی کہا یا نہیں؟ فرمایا نہیں، کچھ نہیں۔ پھر پوچھا، انہوں نے کچھ کہا تو ہوگا؟ ہمارا سلام پہنچایا تھا؟ تو کہا ہاں، سلام پہنچایا کہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمانی کی تھی کہ آپ کے پیر و مرشد کا سلام لے کر یہ آئے ہیں۔ تو صرف اتنا پوچھا تھا کہ ہمارے مرشد خیریت سے ہیں؟

فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا جملہ سن کر ایک چیخ ماری، حال طاری ہو گیا، رونے لگے اور فرمانے لگے کہ ابھی تو وہ اس حال میں ہیں کہ اتنا پوچھ لینا بہت بڑی غنیمت ہے، ورنہ وہ نیچے آتے ہی نہیں۔ تو یہ اس درجہ کی محویت جوان حضرات کو ملتی تھی وہ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ

والسلام کی سنت ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر وہ عمل پیرا ہیں، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح کی، کوہِ طور کی خلوت کا اتباع ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دل کو بھی ان تمام لغویات سے اور اپنی مخلوق کے پھندوں سے فارغ کرے، اس جھنجھال سے ہمیں بھی نکالے۔

جس طرح کل عرض کیا تھا حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی چاہت ہر وقت یہی رہتی تھی کہ بس مشغول رہیں، مشغول رہنا ہے۔ ایک ہفتہ ہم نے فارغ کیا، تو اس کی قدر و قیمت پہچان کر ہر وقت مشغول رہیں، اپنے آپ کو مشغول رکھیں۔ جتنا انتظام ہوسکتا ہے الحمدللہ ساتھی کر رہے ہیں۔

اور ایک خاص بات یہ کہ انتظام کھانے پینے وغیرہ کے سلسلہ میں کسی طرح کی کمی اور زیادتی کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے تو کبھی کوئی معتکف ساتھیوں میں سے یہ کہتا کہ آج ہماری طرف سے دعوت ہے، اس کی بھی قطعاً ضرورت نہیں، نہ دعوت کی ضرورت، نہ نقد رقم دینے کی ضرورت۔ وہ سارا انتظام پہلے سے موجود ہے اور ان شاء اللہ وہ انتظام ٹھیک چلتا رہے گا۔

اگر کسی کی نگاہ میں کسی چیز کی کمی اور ضرورت ہو یہ تو یہ جو طلبہ خدمت کرنے والے ہیں ان کو ہم نے یہ اختیار دیا ہے کہ بعضوں کو کسی چیز کا الگ سے تقاضا ہوتا ہے، تو آپ کے لئے وہ انتظام بھی کر سکتے ہیں، لیکن نقد یا کھانے پینے کی، دعوت وغیرہ کے سلسلہ کے ان تمام جھگڑوں سے فارغ ہو جائیں۔ بس جتنا، ہم الحمدللہ پورا سال اپنی چاہت کے مطابق سب کچھ کھاتے پیتے رہتے ہیں، تو یہاں ہفتہ بھر صرف ایک طرف ہماری لو لگی رہے اس کی کوشش ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

یہ مبارک راتیں چل رہی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں آپ لوگوں کا مبارک وقت ان مبارک گھڑیوں میں ضائع کروں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ میں تو اس کہنے اور سننے کو بھی وقت ضائع کرنا سمجھتا ہوں کہ اتنی مبارک راتیں ہیں، ستائیسویں شب کا تو مشہور قول ہے، اس کے بعد سب سے زیادہ تیئیسویں اور اکیسویں کے متعلق علماء کے اقوال ہیں، تو اس میں آپ کے اور خدا کے

درمیان میں حائل کیوں بنوں؟ لیکن کچھ دنیا اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ ذوق، جیسے آپ لوگوں کے لئے کھانے کا انتظام ہے، اسی طرح آپ حضرات کو کچھ کہنے سننے کا شوق بھی ہے، اس کی بھی کچھ چاشنی چاہئے۔ ایک ذوق ہے، اپنا نفع ونقصان سوچے بغیر۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے، آپ کو بھی۔

اسی لئے میں نے متعین کر رکھا ہے کہ بس چند منٹ آپ لوگوں کی چاہت بھی پوری ہو جائے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے اہم ترین فرض نماز کو بنایا، اور اس میں وقت متعین کر دیا، دعائیں متعین کر دیں۔ اب ہزاروں تسبیحات ہوسکتی ہیں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ کےعلاوہ، احادیث کو دیکھیں، قرآن پاک کی آیات کو دیکھیں کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ، سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کہ یہ تمام تسبیحات پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن شریعت نے متعین کردی بس ایک مختصر سی تسبیح، پھر اس کے بعد سورہ فاتحہ متعین کردی، ایک چھوٹی سی سورت، اور اس کے بعد پھر پابند کیا اماموں کو کہ طوالِ مفصل ان نمازوں کے لئے، اوساطِ مفصل ان نمازوں کے لئے، قصارِ مفصل (چھوٹی سورتیں) مغرب کے لئے کہ کم سے کم وقت صرف ہو اور اس کے خلاف جو امام کرے اس کے لئے کتنی بڑی وعیدیں ہیں۔ بلکہ تطویل کے بجائے اس کے برعکس حکم کہ جب تم میں سے کوئی امام ہو تو ہلکی پھلکی نماز پڑھائے۔

فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن پر اللہ کا غضب اور غصہ ہے۔ ان میں سے ایک جو امامت کرتا رہے، لوگ ناپسند کرتے ہوں، پھر بھی امام بنا رہے، بوڑھا زانی اور ایک تیسرا ہے۔ حالانکہ نماز میں کوئی لمبی قرأت امام کرتا رہے، کتنا اچھا کام، لیکن وہی غضب کا مورد بن جاتا ہے۔

اس سے ہمیں سبق ملا کہ نماز جیسی اہم ترین عبادت اس کے لئے بہت کم وقت رکھا گیا ہے، پانچ منٹ سے لے کر دس منٹ تک۔ اس کے خلاف جو کرے تو اس کے لئے اس طرح کی سخت وعید اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ؟ تو میرے اس بکواس کے لئے میں نے سوچا کہ اتنا ہی وقت

ہمیں متعین کرنا چاہئے، اسی لئے میں نے ساتھیوں کو پابند کیا کہ مجھے اشارہ کر دیا کریں۔

اللہ کی یاد

موضوع چل رہا تھا کہ اللہ کی یاد۔ یہ اللہ کے بندے اپنے دل میں اللہ کو کس طرح بساتے ہیں اور اسی میں کھو جاتے ہیں۔ یہ کیسے؟ میں نے بتایا کہ انہوں نے نماز سے لیا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں ہمیں اس کا پابند کیا کہ اس کی کوشش کرو کہ شروع سے اخیر تک کوئی خیال نہ آنے پائے۔ ورنہ یہی نماز، جیسے ہی سلام پھیرا، تمہارے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

اور وہاں زکوٰۃ کے لئے بتایا کہ یہی زکوٰۃ جنت دلا سکتی ہے اور اس میں خلاف ورزی ہوئی تو **اوّل من تسجّر بھم نار جھنم**، سب سے پہلے جہنم میں جن کو ڈالا جائے گا وہی زکوٰۃ دینے والا۔ کیوں؟ کہ تم سے اتنا نہیں ہو سکا کہ اس وقت مجھے خوش کرنے کے لئے میری رضا کے لئے تم دیتے۔

اسی لئے قرآن پاک میں جگہ جگہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ، یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ، نماز، زکوٰۃ، نماز، زکوٰۃ، کیوں کہ ایک بہت مختصر وقت کے لئے ہمیں بتایا گیا کہ اللہ ہی کو اپنے دل میں رکھو، نماز میں اور زکوٰۃ میں۔ ورنہ اور باقی جو دو فرض ہیں روزہ اور حج، اس سے انسانوں کو سبق دیا گیا ہے کہ اللہ کو یاد کرنا ہے لا الہ الا اللہ سے اور نماز اور زکوٰۃ سے کہ ہر وقت تمہارے دل میں اللہ بسا رہے۔ جیسے تم نماز پڑھتے ہو، جیسے زکوٰۃ دینے کا لمحہ ہوتا ہے، وہ کیفیت نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہر آن، ہر ساعت، ساری عمر کے لئے ہونا چاہئے۔

ایمان کے بعد دو کام

ایمان کے بعد دو کام ہیں ہر انسان کے لئے، ایک گناہ سے بچنا، اور ایک نیک عمل (عمل صالح)، ایک فعل اور ایک ترک۔ تو حج میں فعل ہے، کرنا ہے۔ کچھ زیادہ پڑھنے کے لئے نہیں بتایا گیا کہ عرفات میں جو سوتا سوتا گزر جائے، بیہوشی کی حالت میں گزر جائے، اس کا حج ہو گیا۔ اسی

کو چکّر لگوا دیئے طواف زیارت کے، نہ کچھ پڑھنا ہے کہ اس کا پڑھنا چھوٹ جائے گا، نہ کوئی دعا، کچھ نہیں! تو وہاں بتایا گیا کہ ساری زندگی انسانوں کو نیک عمل اور اعمال صالحہ کرنے ہیں۔ اور روزے میں ترک ہے، اللہ تعالیٰ جن چیزوں سے ناراض ہوتا ہے، جسے گناہ کہتے ہیں اس کو چھوڑا جائے۔ ایسے حج میں فَلا رَفَثَ وَلا فُسُوْقَ وَلا جِدَالَ فِی الْحَجِّ۔

ساری عمر کے لئے تین سبق

ساری عمر کے لئے یہ تین سبق نماز اور زکوٰۃ سے دیے گئے کہ اللہ کی یاد ہر وقت دل میں بسی رہے، جیسا کہ نماز، جیسا کہ زکوٰۃ، اور کبھی کوئی گناہ تم سے سرزد نہ ہو جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو، جیسا کہ تم روزے کی حالت میں ان تین چیزوں کو چھوڑتے ہو کھانا پینا اور جماع، تو اس طرح ساری عمر ان تمام گناہوں کو چھوڑے رکھو، اپنے سے دور رکھو، اور حج سے یہ سبق ملا کہ عمل صالح ہی مطمح نظر رہے۔

اسی لئے صوفیاء کرام نے دیکھا، ان ارکانِ اربعہ کے فلسفہ پر غور کیا، تو انہوں نے اس کو لیا کہ اللہ کی یاد دل میں بسائے بغیر تو نماز ہو ہی نہیں سکتی، جو روز پانچ وقت پڑھنی ہے۔ زکوٰۃ نہیں ہو سکتی۔ تو اس کے لئے وہ مشق کرتے ہیں اور کیسی مشق کہ بڑے بڑے لوگ، ان کی تاریخ آپ پڑھیں گے تو ساری عمر وہ نمازیں پڑھتے رہے، مگر اپنے متعلق یہی رونا وہ رو رہے ہیں کہ اس میں اللہ کی یاد تو ہم نے دل میں بسائی نہیں، کوئی نماز کیا، ایک رکعت، ایک سجدہ ہم سے نہ ہو سکا جیسا مطلوب ہے۔

اب جا کے رہیۓ ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ ساری عمر لمبے لمبے سجدے کر کے پھر روتے ہیں۔ مولانا پالنپوری صاحب کو لکھواتے ہیں کہ تم تو ایک رکعت کے لئے روتے ہو، یہاں تو ایک سجدہ بھی نہیں۔ تو یہی رونا پھر حال بنتا گیا اتنا بنا، اتنا بنا کہ جب میں وہاں تھا سہارنپور میں، تو حضرت پر ایک قسم کا حال

طاری ہوا، تو روز ایک ہی ذکر، ایک ہی تذکرہ، ایک ہی بات فرماتے۔

حضرت فرماتے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ چھوڑ چھاڑ کر کے کہیں سب سے دور الگ تھلگ کہیں جا کر پڑ جاؤں، مگر کیا کریں معذوری بھی بری بلا ہے، ایک دو اٹھانے والے تو چاہئیں۔ ان کی تو مجبوری ہے، ورنہ سب کو ایسا کر دیتا (اشارہ سے)۔ تم لوگوں کو میں کہہ دیتا کہ جاؤ، یہاں سے بھاگو۔ اور پھر ایک شعر پڑھتے اور شعر ایک حال میں پڑھتے، روتے ہوئے پڑھتے، آنسو جاری ہوتے، اور یہ شعر پڑھتے کہ

اب جا کے رہئے ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو
اب جا کے رہئے ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو
ہم نفس کوئی نہ ہو، ہم نوا کوئی نہ ہو
گر پڑ جائیں بیمار تو نہ ہو کوئی تیماردار
گر پڑ جائیں بیمار تو نہ ہو کوئی تیماردار
گر مر جائیں، تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

یہ پڑھتے اور روتے۔ اور ایک دفعہ، ایک مجلس میں نہیں، بار بار حضرت پر یہ حال طاری ہوتا، وہی تذکرہ، رو رہے ہیں، اور ایک ہی دھن میں ہیں، ایک دن، دو دن، حضرت کے کم از کم تین سال سے زیادہ اسی حال میں گزرے۔ اور پھر اس کے بعد حضرت نے سفر فرمایا مدینہ طیبہ کا، اسی کا نتیجہ یہ سفرِ مدینہ منورہ تھا۔

ہمارے ان بزرگوں کی طرح سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی حال ہے، بلکہ انہیں سے ہمارے بزرگوں نے یہ لیا، بلکہ شریعت کی طرح طریقت میں بھی انہیں کا اتباع کرتے ہیں کہ ان متاخرین صوفیاء کی طرح سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **مَا اَعْدِلُ بِالفَقْرِ شَيْئًا**، کہ فقر اور تصوف کے ہم پلہ میرے نزدیک کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

یہ تو تصوف کے بارے میں فرما رہے ہیں، لیکن اس کی ایک خاص صفت کا جو تذکرہ ہو رہا ہے

کہ ترکِ دنیا اور ترکِ اشغال دینیہ اور خدماتِ دینیہ کہ پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے سب کچھ چھوڑا، امام غزالی نے چھوڑا، حضرت شیخ پر بھی یہی حال طاری تھا کہ میرا بس چلتا تو میں سب کو اس طرح کر دیتا۔ تو بالکل یہی الفاظ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی فرما رہے ہیں کہ

مَا اَعْدِلُ بِالفَقْرِ شَیْئًا وَلَوْ وَجَدْتُ السَّبِیْلَ لَخَرَجْتُ حَتّٰی لا یَکُونَ لِیْ ذِکْرٌ

کہ اس جھنجھال سے نکلنے کا راستہ مجھے ملتا، تو میں نکل کھڑا ہوتا کہ نہ کسی کو میرا نام ونشان ملتا اور نہ کوئی میرا تذکرہ سن پاتے۔

اس طرح حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بھی بخاری شریف ایک شان سے پڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے علماء درس میں شرکت کے متمنی رہتے تھے کہ حضرت سارے سال میں کبھی کبھی بخاری شریف کھولتے تھے، ورنہ بند رہتی تھی، حفظ پڑھاتے تھے۔

اب ساری عمر جس پر محنت کر کے اس کو یہاں تک پہنچایا اور ابھی وہ پک کر تیار ہے اور ساری دنیا سے لوگ آ رہے ہیں فیض حاصل کرنے کے لئے، مگر ان سب کو لات مار کر حضرت جانے کی سوچ رہے ہیں، چھوڑنے کی سوچ رہے ہیں، اور چلے بھی گئے سب کو چھوڑ کر مدینہ شریف چلے گئے، بخاری شریف بھی چھوڑ دی، عظیم خانقاہ بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ اور جب وہاں پہنچے ہیں، وہاں جاتے ہی فوراً روزے شروع فرمادئے۔ اب یہ بڑھاپا ہے، ستّر پچھتر برس کی عمر ہے اور حضرت نے روزے شروع فرمائے، ایک دن، دو دن، تین دن، ایک مہینہ، دو مہینے، تین مہینے۔

یہاں تک کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو ہم نے ان سے درخواست کی کہ حضرت، ذرا بات کریں آپ کہ روزے سے بڑا اثر ہو رہا ہے طبیعت پر۔ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب آئے، ان سے ہم نے کہا، ہر وقت رونا دھونا، گھنٹوں حرم میں رونے کا کام۔ ہم تو بار بار اٹھ کر قیام گاہ پر آتے، استنجے کے لئے، پھر وضوء کر کے واپس جاتے، لیکن حضرت حرم شریف میں بیٹھے ہوئے ہیں، دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے، گردن جھکی ہوئی ہے اٹھتی ہی نہیں اور روئے جا رہے ہیں۔

اور وہ جو ایک دفعہ کسی معترض کا قصہ میں نے سنانا شروع کیا تھا، کسی نے آکر پوچھا تھا، ذکر کر رہے تھے اس پر، مراقبہ پر اور ذکر پر اُسے اعتراض تھا، تو اس کو سمجھانے کے لئے میں نے جو بتایا تھا حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے متعلق، میں نے اُسے بتایا تھا کہ دیکھو، آپ کو یاد ہے کل کیا ہوا تھا مغنیہ ام کلثوم کے حرم میں آنے پر؟ یہاں حرم میں مغرب کے بعد، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، اس نے رونے جیسا منہ بنایا اور بار بار لاحول پڑھتا تھا کہ ساری زندگی یہ تو قصہ یاد رہے گا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا استغراق

وہاں مواجہہ شریفہ پر ہوا یہ تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد سے لے کر عشاء تک حضرت تو مشغول رہتے تھے، اور ہم لوگ پھر اپنی نفلوں میں یا صلوۃ وسلام میں یا کسی کو اپنا قرآن پارہ سنانے کے کسی کام میں، مشغول رہتے تھے۔

حضرت جب نماز مغرب سے فارغ ہو کر مشغول ہو گئے تو میں صلوۃ وسلام کے لئے حاضر ہوا، صلوۃ وسلام پڑھتے وقت تو صرف اتنا احساس ہوا کہ ذرا آگے اور پیچھے سے معمول سے زیادہ مجمع ہو گیا ہے، حالانکہ جب سلام پڑھنے کے لئے اس وقت جاتے تھے تو اس زمانہ میں پانچ دس آدمی ہوتے تھے، تو میں نے سوچا کہ ابھی میں حاضر ہوا اس وقت تو کوئی نہیں تھا، ابھی اتنا پیچھے ہجوم ہو گیا کہ اور آگے اور پیچھے چاروں طرف انسان ہی انسان ہیں۔

پھر اسی الجھن میں میں نے سلام ختم کیا اور صلوۃ وسلام کے بعد میں مڑنے لگا تو دیکھا کہ کوئی خاتون وہاں کھڑی ہے، سلام پڑھ رہی ہے، حالانکہ مغرب کے بعد سلام کے لئے خواتین نہیں آسکتی تھیں۔ اور بے پناہ ہجوم تھا، جانے کی کوئی جگہ نہیں، نکل بھی نہیں سکتے، اور آنے جانے کا راستہ وہی تھا۔ صلوۃ وسلام پڑھ کر نکلتے تھے باب جبرئیل سے اور حضرت کی نشست ہوتی تھی اقدام عالیہ میں۔ باب بقیع اس وقت نہیں بنا تھا اس لئے سارا مجمع وہیں سے، باب جبریل سے گزرتا تھا اور آتا جاتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ خاتون فارغ ہوکر جانے لگی، مجمع پیچھے پیچھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ پیچھے جارہے ہیں۔تو میں نے کسی سے یہ پوچھا کیا ہے؟

وہ بیچارہ وہ بھی رونے لگا، لاحول پڑھتا جاتا۔کہتا، چھوڑیئے، یہ وہ گانے والی مغنیہ ام کلثوم آئی ہے، اس کے لئے جس طرح کسی ملک کے سربراہ کے لئے انتظام ہوتا ہے، عورتوں کے لئے صلوۃ وسلام کا اس زمانہ میں وقت تھا عصر کی نماز کے فوراً بعد، تھوڑی دیر کے لئے ایک آدھ گھنٹے کے لئے ہوتا تھا، تو اس وقت نہیں پہنچ سکی ہوگی، مصروف ہوگی، تو مغرب کی نماز میں آئی، تو اس کے بعد خصوصی انتظام اس کے لئے کیا گیا۔

اس معترض سے میں نے کہا کہ ہمارے حضرت شیخ جہاں بیٹھے ہوئے ہیں، وہاں سے لوگ گزرے ہوں گے؟ کہا ہاں۔یہ تو جالی مبارک کو پکڑ پکڑ کر لوگ اس پر ایک دوسرے کے اوپر چڑھ کر اس خاتون کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کدھر ہے امّ کلثوم؟ تو میں نے کہا کہ یہ جو کچھ تماشہ ہوا، حضرت کو کوئی پتہ نہیں تھا۔

جب نماز سے فارغ ہوکر وہاں پہنچے ہیں، تو ذرا کسی نے ذکر چھیڑنے کی کوشش کی کہ وہ حضرت کو بھی حرج ہوا ہوگا۔تو حضرت نے پوچھا کیا؟ کیا حرج؟ تو پھر بتایا گیا کہ اس طرح وہاں مغنیہ آئی تھی سلام پڑھنے کے لئے، اس کو دیکھنے کے لئے ہزاروں وہاں سے، آپ کے پاس سے گزرتے رہے، مگر حضرت کو کوئی پتہ نہیں۔تو وہ عرب کہنے لگے، واللہ؟ میں نے کہا ہاں، بالکل۔یہ کل کا قصہ ہے، ان کو کوئی پتہ ہی نہیں چلا۔اوپر ان کی لو لگی ہوئی ہے تو یہ کیسے؟ اوپر کی تار ٹوٹتی ہی نہیں۔ہزاروں کا آنا جانا سر کے اوپر سے گزر رہے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلا۔

ایک خاتون کا ایک عظیم جملہ

جیسے کہ رابعہ بصریہ مشغول تھیں، تو کسی نے جا کر پوچھا کہ آپ اتنے برسوں سے اس طرح مراقبہ میں ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتی ہیں، ہم تو ایک نماز دومنٹ کی نہیں پڑھ سکتے۔فوراً

خیالات شروع ہو جاتے ہیں، ہم تھک جاتے ہیں، شیطان بہکانے لگتا ہے۔ تو شیطان آپ کے دل میں وسوسہ نہیں ڈالتا کہ آپ اس طرح سالہا سال سے اس طرح مراقبہ میں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتی ہیں؟

کیسا عظیم جملہ اس عظیم خاتون نے فرمایا! رابعہ کہتی ہیں کہ میں دوست کی یاد سے فارغ ہوں، تو دوست کی یاد چھوڑ کر میں اس کے دشمن کی یاد میں مشغول ہوں گی؟ کب میں میرے محبوب کی یاد سے فارغ ہوں کہ اس کے دشمن کو یاد کرنے لگوں؟

اللہ کرے کہ اس کو ہم دشمن سمجھیں۔ اللہ ایسی ہمیں استعداد نصیب فرمائے اور اپنے محبوب کو محبوب سمجھ کر یاد کرنے کی ہمیں توفیق دے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا ذکر ہو رہا تھا کہ حضرت نے ساری عمر تعلیم، تدریس، تدریسِ حدیث خاص طور پر، بالاخص بخاری شریف، سالہا سال پڑھا کر ثمرات پھر چننے کا وقت آیا کہ ساری دنیا سے منتخب، چنندہ افراد، کیا افریقہ، کیا عرب، نہ صرف علم کے خاطر بلکہ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے حصول کے لئے حضرت کے پاس پہنچنے لگے، ہزاروں کا مجمع ہو جاتا تھا، ابھی اس کو چار پانچ برس بھی نہیں گزرے اور حضرت ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، مگر جیسا میں نے عرض کیا کہ ایک دھن لگ گئی کہ ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر کے چلے جانا ہے۔

اب جا کے رہئے ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو
ہم نفس کوئی نہ ہو، ہم نوا کوئی نہ ہو
گر پڑ جائیں بیمار تو نہ ہو کوئی تیمار دار
گر مر جائیں، تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

بار بار پڑھتے اور روتے۔ اور ہم اٹھا رہے ہیں، تو وہ ہاتھ اس طرح زور سے غصہ میں جھٹکتے ہیں، پھر کہتے ہیں میرا بس چلے تو تمہیں بھی دھکا دے دوں، بھگا دوں یہاں سے۔ تو یہ کیفیت بڑھتی رہی، بڑھتی رہی، اور واقعۃً سب چھوڑ چھاڑ کر کے مدینہ کا سفر فرما ہی لیا اور مدینہ کے باسی

بن گئے۔

پینتیس سال کے بعد حرم کی حاضری

حرمین بہت پیارے اور ہر مسلمان کو اس جگہ سے محبت، خواہش اور تمنا کہ جو لمحات زندگی کے وہاں گزریں، وہی زندگی کے صحیح لمحات ہیں۔ لیکن حضرت تو جب اپنے پیر و مرشد کے ساتھ وہاں تھے اور واپس ہندوستان آئے اور اس کے بعد جب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا، تو پتہ ہے آپ کو کتنے برس واپس حرمین نہیں گئے؟ پینتیس برس! اب حضرت کو کیا کمی رہی ہو گی کسی ٹکٹ کی اور کسی سفر کے انتظامات اور اخراجات کی؟

ہمارے سامنے دہلی کے عتیق صاحب جو حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے تھے، تھیلا لے کر آئے۔ اس زمانے میں یہ بینکنگ نظام اور یہ ڈرافٹ اور چیک وغیرہ کا سلسلہ کم تھا، تو نقد ہی پورا تھیلا لے کر آئے کہ حضرت، آپ کے اور آپ کے خدام کے ٹکٹ کے لئے یہ ہدیہ ہے، مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا، بلکہ یہ کہ آپ تشریف لے جائیں کہ حضرت نے ذرا مناسب انداز میں پہلے منع فرمایا، پھر جھڑک کر زور سے کہ بھئی، میں نے کہہ دیا اسے لے جاؤ۔ تو ان سب کے باوجود حرمین نہیں گئے، پینتیس برس تک نہیں گئے۔ مگر جب حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصرار سے زبردستی لے گئے، تو وہ پینتیس برس کی حلف اور قسم کی طرح کی کوئی روک ٹوٹی ہے۔

پھر دوسری دفعہ کا جب حضرت کا سفر ہوا ہے تو وہ اس طرح ہوا ہے کہ ہوک اٹھی کہ او ہو! نمازیں، درسِ حدیث، درسِ شریعت و طریقت سب کچھ ہے مگر۔۔۔ حالانکہ نمازیں بھی حضرت کی ہوتی تھیں سب سے انوکھی۔ دنیا کے منتخب افراد میں سے جن کی نماز کی نقل کوئی کر نہیں سکتا۔

حضرت کی نماز کے متعلق سینتالیس کے فسادات کا حال ذکر کرتے ہوئے سہارنپور کے شیخ انعام اللہ نے ہم سے کہا کہ ہم ان دنوں آتے تھے حضرت کو دیکھنے کے لئے، تو ہر جگہ فسادات ہو

رہے تھے،صوبے کے صوبے مسلمانوں کے وجود سے خالی ہوگئے، لاکھوں مسلمان قتل ہوگئے،املاک لوٹ لی گئیں۔تو ہم دیکھتے تھے کہ پوری پوری رات حضرت نماز میں کھڑے ہوتے تھے، پھر ہم خدمت کے لئے حاضر ہوتے تھے،تو پیر ہاتھی کی طرح ورم کر جاتے نماز میں کھڑے ہونے کی وجہ سے۔حدیث پاک میں ہے حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک ورم کر جاتے تھے،تو کیا نمازیں نہیں تھیں؟

نماز بھی تھی، روزانہ کے ختم کی تلاوت بھی تھی، تدریس بھی تھی، دنیا میں سب سے ممتاز اعلیٰ درجہ کی تدریسِ حدیث تھی، بخاری حفظ پڑھا رہے ہیں،طریقت بھی تھی، بیعت اور سلوک کا سلسلہ بھی تھا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں جب حضرت کے سفر سے پہلے کہیں مضمون لکھا تھا،اس میں لکھا تھا کہ یہاں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی یاد تازہ ہوگئی۔تو ان سب کو لات مار کر چھوڑ کر نکل رہے ہیں،اور جب وہاں حرمین پہنچے ہیں اور یہاں سہارنپور سے کسی نے اس زمانہ میں خط لکھا ہے کہ یہاں سہارنپور کے حالات متقاضی ہیں کہ حضرت واپس تشریف لے آئیں،تو جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ وہاں جاتے ہی،حضرت نے روزے شروع کئے ،ایک روزہ،دو،تین،ایک مہینہ،دو مہینے،تین مہینے، پانچ، چھ،سات،سال بھر ختم ہوگیا روزے ہی نہیں بند ہوتے۔روزہ،اور وہاں کی گرمی میں، پچاس ڈگری گرمی چل رہی تھی،اس ضعیف العمری میں۔تو حضرت نے جب سہارنپور سے خط آیا تو اس کے جواب میں لکھوایا کہ۔۔

پہلے میں ایک واقعہ بیان کردوں۔حضرت کے وصال کے بعد سہارنپور میں جب مدرسہ میں ہنگامہ شروع ہوا اور دو پارٹیاں ہوکر کے مدرسہ بند ہوگیا،تو میں نے ایک دفعہ وہاں مدینہ شریف میں حضرت کے خدام کے سامنے کہا کہ یہ حضرت نے سب کچھ کیا ہے۔تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔ حضرت شیخ نے؟ میں نے کہا،ہاں۔کہا کیسے؟

میں نے کہا کہ ایک دفعہ خط آیا تھا کچھ عرصہ پہلے، اس میں مدرسہ کے کسی قضیہ کا ذکر کیا تھا، تو حضرت نے خط کا جواب جو شروع کیا اس کے سرنامے پر اوپر سب سے پہلے شعر لکھوایا

؎ بلبل نے آشیاں چمن سے اٹھا لیا
بلا سے اپنی ہما رہے یا بوم بسے

حضرت کا مقام اس وقت یہ تھا کہ جو کلمہ زبان سے نکلتا تھا وہ اسی طرح ہو کر رہتا تھا، ''بلبل نے چمن سے آشیاں اٹھالیا''، کہ ہم تو مظاہر العلوم کے بلبل تھے اور وہاں سے آشیاں اٹھا کر ادھر آ گئے، اب ''بلا سے اپنی ہما رہے یا بوم بسے''، اب بلبل تو ہے نہیں وہاں اب کون رہے گا اُدھر؟ تو یا تو ہما رہے، کاش کہ ہما کا کوئی دنیا میں وجود ہوتا۔ ہما ایک خیالی پرندہ ہے جس کا دنیا میں وجود نہیں ہے، تو اب تیسری چیز متعین ہوگئی یا بوم بسے، اُلو۔ اور اُلو کے متعلق مشہور ہے کہ الو جہاں بولتا ہے، کہتے ہیں وہاں ویرانی آتی ہے۔

یہ کلمات اسی طرح ہو بہو پورے ہو گئے۔ وہاں پارٹیاں ہوگئی، جھگڑا ہو گیا، اور وہ بوم بھی، الو بھی بسنے لگا، مدرسہ بند۔ تو میں نے کہا جو شعر حضرت نے لکھوایا تھا یہ پورا ہو کر رہا۔ حضرت کی زبان سے جو نکلا، اس کو پورا ہونا ہی تھا۔ کسی چیز کی پرواہ نہیں کی، نہ مظاہر علوم کی، نہ مدرسہ کی، نہ بخاری کی، نہ طریقت کی، نہ سلوک کے سالکین کی، اور مریدین کی، بس ایک ہی دھن۔ کیا دھن؟ یہی دھن تھی: ؎ اب جا کے رہئے ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو

عصرِ حاضر کے غزالی

بالکل یہی حال حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر گذرا ہے۔ ہمارے بیریسٹر صاحب مجھے ایسے موقع پر بہت یاد آتے ہیں۔ انہوں نے بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی کتابوں کا جو انہیں میسر آسکیں انگلش ترجمہ کی۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا بھی انہوں نے بہت مطالعہ کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ میں، جب میں نے مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان بھی ایک، مواد اور میٹریل بھی ایک اور موضوع بھی وہی۔ کہتے تھے کہ صدیوں پہلے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جن چیزوں پر لکھا، حضرت بھی اسی پر لکھتے ہیں۔ کہتے کہ زبان دونوں کی ملاؤ تو ایک جیسی، اور کہتے سب سے بڑی چیز ہے، تاثیر۔

کہتے ہیں میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں، ان کی تحریر میں جو اثر محسوس کرتا ہوں، وہی اثر صدیوں بعد حضرت کی کتابوں میں ہے۔ کہتے ہیں یہ کیا ہے؟ بار بار پوچھتے کہ یہ کیوں ایسا ہے؟

حضرت نے بھی سب کچھ اس حق کی تلاش میں، خدا کی طلب میں، یہ سوچ کر کہ ہم تو کہاں پھنس گئے ہیں، میں نے اپنے آپ کو کہاں پھنسالیا ہے، یہ سوچ کر اس حق کی طلب اور جستجو میں ان سب کو لات ماردی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا امام ہے اور حکومت مانتی ہے، بادشاہ، وزراء، حکام، دنیا بھر کے سلاطین آ کر سلام کرتے ہیں، غنیمت سمجھتے ہیں کہ ایک کلمہ ہمیں فرما دیں، ہمیں پہچان لیں، امام غزالی۔ وہ خدمت کے لئے ہر وقت تیار، اور تمام انتظامات جس طرح وہ چاہیں کرنے کے لئے تیار، مگر سب چھوڑ کر کے صحرانورد بن گئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حالانکہ ان کے علوم کا حال یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ زبردست محقق تھے اور تحقیق کے معنیٰ ان کے نزدیک یہ تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے صرف کتابوں سے پڑھ کر نہیں لکھا، مثلاً شوافع کے متعلق جو لکھا ان کی کتابوں سے پڑھ کر یا حنابلہ کی کتابوں سے پڑھ کر، حنفیہ کی کتابوں سے پڑھ کر نہیں لکھا۔

مجوسی اور دوسرے فرق اور مذاہب کی مثال دی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے یہودیوں کے متعلق، نصاریٰ کے متعلق، ملحدین کے متعلق، زندیق تک کے لئے، ان کے متعلق جو کچھ لکھا، کسی

سے سن کر اور کسی کتاب سے پڑھ کر نہیں لکھا۔ میں نے خود تحقیق کی کہ اس مذہب کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ آج کل زندیقیت سب سے بڑا فتنہ ہے تو اس فتنہ کا بانی اور مؤسس کون ہے؟ میں اس سے جا کر ملتا تھا۔ یہودیوں کا بڑا عالم کون ہے؟ اس سے جا کر ملتا تھا، اس سے پوچھتا تھا کہ تم اپنے مذہب کے بارے میں بتاؤ۔ اس درجہ کی تحقیق تھی، تو اسی تحقیق کے سلسلہ میں ان کو تمام روحانی سلاسل وطرق کی جستجو میں جو اہل طریقت تھے، روحانی سلاسل تھے، ان کے پاس بھی جانا پڑا۔

خود تو بیعت تھے، جس طرح کہ رسمی طور پر ساری دنیا بیعت ہوتی ہے۔ اور طریقت کے معمولات کے بھی پابند، سب کچھ تھا۔ مگر ایک عرصہ کے بعد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی طرح سے انہوں نے سوچا کہ او ہو! یہ تو صرف الفاظ ہیں ہمارے پاس۔ یہ دولت تو ان کے پاس ہے یہ حضرات جن سے میں ملا ہوں اہلِ طریقت، مشائخ سلوک، روحانی سلسلے والے، اللہ والے، اور ان کا علم صرف میرے پاس ہے، میں نے ان کی کتابوں کو پڑھا، ان سے پوچھا، ان سے معلوم کیا تو صرف مجھے تو علم ملا، لیکن انہوں نے جس طرح مجاہدہ کیا، مجھے بھی کرنا چاہئے۔ تو اس پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعلق جب فیصلہ کیا کہ اب ان کے طریق پر مجاہدے کرنے ہیں۔

جیسے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آ گئے، امام غزالی نے جب فیصلہ کیا کہ سب کچھ چھوڑنا ہے تو ساری دنیا رو رہی ہے لاکھوں انسان، حکومت رو رہی ہے کہ اب اسلام کا کیا ہوگا، کہیں دنیا کے کسی کونے سے کوئی چیلنج ہوتا کسی مذہب کی طرف سے کوئی مناظر، کوئی سوال، کوئی فتویٰ پوچھتا، تو امام غزالی کے پاس اس کا جواب تیار پاتے تھے۔ اب کس کے پاس جائیں گے؟

ایک دفعہ ساؤتھ افریقہ میں ایک جگہ علماء جمع تھے، تو وہ کہنے لگے کہ آپ کے یہاں سے مولانا ریاض الحق تشریف لائے تھے۔ کہتے ہیں کہ بڑے عجیب آدمی۔ میں نے کہا کیا عجیب چیز دیکھی؟ کہنے لگے کہ جو بات بھی پوچھو، تو اس پر جب بولنا شروع کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابھی قریب میں اس چیز کا پورا مطالعہ کیا ہے اور مدتوں اس کی تحقیق کر کے اب بول

رہے ہیں۔ کہتے ہیں جو بھی ہم نے آزمانے کے لئے، کہتے ہیں، اِدھر اُدھر کی دوسری باتیں پوچھنی شروع کی، تو ہر چیز کا صحیح جواب موجود تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہر چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار۔ اب دنیا رو رہی ہے کہ جا رہے ہیں سب چھوڑ چھاڑ کے، بہت زیادہ اصرار ہوا، پھر بھی چھوڑ چھاڑ کر چل دئے۔ اور کہاں تو وہ شاہی ٹھاٹھ کے ساتھ رہتے تھے اور حکومت کی طرف سے جو انتظام تھا ان کے لئے، حکومت کی طرف سے وظائف متعین تھے، یہ وزیر سے بڑھ کر ان کو وظیفہ ملتا تھا۔ ان سب کو لات مار کر جب نکلے ہیں، دیکھنے والا بیان کرتا ہے کہ اس کے کچھ عرصہ کے بعد میں نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو شاہی محل میں رہا کرتے تھے، شاہی ٹھاٹھ سے جن کی زندگی گزرتی تھی، ہر وقت ہزاروں تلامذہ چاروں طرف قلم اور دوات لے کر ان کے فرمودات کو لکھنے کے کے لئے تیار رہتے تھے، تو میں نے دیکھا کہ جنگل بیابان میں ایک دریا ہے، وہاں سے پانی لینے کے لئے ایک چادر پھٹی پرانی جسم پر پڑی ہوئی ہے اور ہاتھ میں ایک چھاگل ہے اور پانی لے کر آرہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ میں ان کو اس حال میں دیکھ کر رونے لگا کہ یہ کہاں ناز پروردہ انسان اور اس حال میں اپنے آپ کو انہوں نے رکھا ہے۔ اور اس حال میں ایک دن، دو دن، چند مہینے نہیں، دس برس سے زیادہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے گزارے۔

وہاں سے، بغداد سے سب شاہی ٹھاٹھ کو چھوڑ چھاڑ کر نکلے ہیں مولدِ عیسوی کی طرف، حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی جہاں ولادت ہوئی، کئی دفعہ جی بھی چاہا کہ وہاں حاضری دینی چاہئے کہ وہاں جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے وہ کلمات فرمائے تھے اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ، تو زمین نے بھی اس کو محفوظ کئے ہوں گے، اپنے اندر ٹیپ کئے ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قدس اور صخرۃ میں کئی سال رہے۔ دمشق کی جامع مسجد کے منارے پر اوپر چڑھ جاتے تھے دروازہ بند کر کے، کوئی آ نہیں سکتا۔ ایک دفعہ دمشق میں جب وہاں کی جامع

دمشق میں نماز کے بعد گزر رہے ہیں، ایک حلقہ میں مدرس پڑھا رہے ہیں، تو ان کے کلمات کانوں میں پڑ گئے، سن لیا کہ وہ کہتے ہیں کہ **قال الامام الغزالی،** فوراً وہاں سے بھاگے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر میں اسی طرف آ رہا ہوں، اور بھاگ کر یہاں سے الخلیل، مزار سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی طرف نکل گئے۔

اب تو بہت کچھ بن چکے تھے، بہت پا چکے تھے۔ تو وہاں جب حاضری ہوئی تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے متعلق میں نے بتایا تھا کہ حضرت دہلی اکابر کے مزارات پر جب حاضری دیتے تھے، گنگوہ، تھانہ بھون تشریف لے جاتے، بارہا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت نے گھنٹوں، آدھا آدھا دن مراقبہ میں گزارا ہے۔ اس کے بعد حضرت رفقاء سے پوچھتے، کیوں پیارو، کسی نے کچھ دیکھا؟ تو وہاں سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ میرے فلاں تین مکتوب شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ مکاتیب حضرت نے اسی بناء پر شائع فرمائے تھے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی بالکل اسی طرح فرماتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار پر حاضر ہوا، تو میں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے باقاعدہ عہد کیا جس طرح کہ آپ کسی سے بیعت ہوتے ہیں، عہد کرتے ہیں، میں نے ان سے عہد کیا کہ حضرت، میں اب کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا۔

۱۔ جس طرح ہم توبہ کرتے ہیں کہ کفر سے، شرک سے، بدعت سے، نماز چھوڑنے سے، اس طرح عہد کیا۔

۲۔ دوسرے فرمایا کہ کسی بادشاہ کی طرف سے، حاکم کی طرف سے شاہی عطیہ کبھی قبول نہیں کروں گا۔

۳۔ اور تیسری چیز اب علم کو بھی خیر باد کہہ رہے ہیں، اور تیسرا میں نے عہد کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہ میں اب کسی سے کوئی علمی مباحثہ نہیں کروں گا۔

جس طرح انہیں عشق الٰہی اور حبّ الٰہی کا چسکا لگا، اس کی تلاش میں ایسی ایسی سچی، پکی مسلّمہ دولتیں تھیں، دینی دولتیں ان سب کو لات مار کر وہ نکل پڑے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی سچی طلب نصیب فرمائے۔

سلسلہ تو ہمارا چل رہا تھا شروع رمضان سے کہ روز ہمارے سلسلہ کے مشائخ میں سے ایک کا ذکر ہوتا رہے گا، سلسلہ چلتا رہا، مگر یہاں حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے پیرومرشد شمس الدین ترک، ان کے پیرومرشد علاء الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ کر رک اس لئے گیا کہ ان کے حالات میں ہم نے سنا کہ وہ سالہا سال گردن نہیں اٹھاتے تھے، سالہا سال انہیں دنیا کا پتہ نہیں، اور نماز کے لئے بھی اطلاع کی ضرورت پیش آتی، جس طرح سوئے کو مشکل سے جگاتے ہیں، اٹھایا جاتا ہے، پتہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ تو کیوں انہوں نے اس قدر دنیا کو لات ماردی اور گردن جھکالی۔ اور دنیا سے منہ موڑ لیا؟

ایک ہوک اٹھی

میں نے بتایا کہ ایسے ہی کیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے، ایسے ہی کیا ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اور حضرت نے جب چھوڑا اس وقت کے حالات بتائے کہ کیا نہیں تھا وہاں؟ ہر چیز تھی، سینکڑوں کتابوں کے مصنف ہیں، صدیوں میں ایسی کتابیں نہیں لکھی گئیں جیسی حضرت شیخ نے لکھیں۔ ان سب کے لکھنے کے بعد ایک ہوک اٹھی کہ یہ سب تو ہو رہا ہے، مگر وہی ایک ذات جس نے یہ سب کچھ دیا وہ چاہئے بس۔ اب اور کچھ نہیں چاہئے تو سب کو لات مار کر چل دئے۔

جب روکا جا رہا ہے کہ ادھر مظاہر العلوم مدرسہ، تو اچھا ہوا کہ وہاں کی سہارنپوری زبان میں یہ نہیں فرمایا کہ مدرسہ بھاڑ میں جائے، ورنہ آگ لگ جاتی، جل جاتا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ شعر لکھوایا کہ وہاں اُلّو بسے، تو واقعی کچھ عرصہ کے بعد وہ الو کے بسیرے کا دور آ گیا۔ حضرت کا مقام وہ تھا کہ جو زبان سے نکلتا تھا وہی ہو کر رہتا تھا، تو اب وہاں جھگڑا ہوا، مدرسہ بند، مدتوں بند، اور اُلّو کا بسیرا۔

وہی کلمات پورے ہوئے   اب بلا سے اپنی ہمارہے یا بوم بسے

’’فقیری میں بہت مزہ آرہا ہے‘‘

ہمارے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس جوان بیوی ہے، دو سال کا بچہ ہے، بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب، دوسرا ابھی آنے کی تیاری میں ہے، حالانکہ اولاد کے اتنے منتظر ومشتاق تھے کہ انہیں تاخیر محسوس ہو رہی تھی۔ بھائی کی آمد سے پہلے بزرگ کسی فقیر کو لے آتے ہیں، دعا کراتے ہیں، وہ انگوٹھی دیتے ہیں، ان کی ولادت ہوتی ہے۔ پھر آتے ہیں، دعا دیتے ہیں، دوسری انگوٹھی دیتے ہیں کہ دوسرا ابھی اللہ دے گا۔ تو اتنی خوشیاں اور امنگیں تھیں، مگر سب کچھ چھوڑ کر خلوت گزیں ہو گئے۔

میں کہا کرتا ہوں جب کوئی ساتھی آ کر کہتا ہے کہ میرے گھر میں اللہ نے امید دی ہے، تو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لمبی خوشی ہے۔ اب سالہا سال خوشی میں گزرتے ہیں، اب نو مہینے تک خوشی کہ بیبی (Baby)، بچہ آنے والا ہے۔ مگر ہمارے ابا نے ان سب کو لات مار کر ایک ہی جملہ ماں سے، والدہ سے، کہہ دیا کہ میں نے دنیا چھوڑنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

پھر سچ مچ سب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا۔ بیوی کو بھی گھر بھیج دیا، بچوں کو بھی نانا کے یہاں بھیج دیا، چیزیں بھی ساری خیرات، اختیار دے دیا جس کا جو جی چاہے لے جائے۔ تو ہماری دادی کہا کرتی تھی کہ سلیمان، تو تو فقیر ہو گیا، اللہ نے اتنا دیا تھا۔ تو قہقہہ لگاتے تھے کہ ماں، ’’اس فقیری میں بہت مزہ آرہا ہے‘‘۔

یہی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ والد صاحب نے تو صرف دنیا ترک کی۔ انہوں نے، امام غزالی نے پورا ایک عالم کا عالم چھوڑ دیا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے صرف ایک ہندوستان نہیں، ایک انٹرنیشنل مرکز چھوڑا، پوری دنیا کی دنیا چھوڑی، علمی دنیا، روحانی دینا، کتنا لمبا چوڑا خاندان۔ تو ان کو ایک ہوک اٹھتی تھی، ایک ہوک، ایک افسوس ہوتا تھا کہ ہم کاہے میں پڑ گئے، ہم

نے تو اسی کو بہت کچھ سمجھ لیا۔ داڑھی آ گئی، نماز پڑھ لی، بس الحمد للہ بہت کچھ اللہ نے دیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ! وہ اسی کو سمجھتے تھے کہ او ہو! یہ تو فریب دھوکہ ہے، ہم نے اسی مالک کو بھلا دیا اور ہم کن چیزوں میں لگ گئے۔ کتنے عقلمند وہ لوگ ہوتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی عقلمندی

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا انتقال کا وقت ہے، آخری گھڑیاں گنی جا رہی ہیں اور لوگ تلقین کر رہے ہیں لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، تو جیسا میں نے عرض کیا کہ سب سے زیادہ یہ لوگ عقلمند ہوتے ہیں کہ جنید بغدادی کے متعلق لکھا ہے کہ اگر دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل کو انسان بنایا ہوتا اور مرد بنایا ہوتا تو وہ جنید بغدادی ہوتے۔ سبحان اللہ۔

کتنے عقلمند ہوں گے، کتنا تجربہ لوگوں کو ہوا ہوگا تو ان کی دانائی کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جب انہیں تلقین کی جا رہی ہے لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ، تو وہ مشغول ہیں اللہ، اللہ، اللہ! پھر ملقن کہتے ہیں لا الہ الا اللہ، تو غصہ ہو گئے۔ کہا، چپ کرو۔ اگر میں نے کہا لا الہ اور میرا سانس بند ہو گیا تو؟ تو میں یہ کہہ کر مرا کہ معبود کوئی ہے ہی نہیں دنیا میں۔ کتنے عقلمند ہوتے ہیں یہ حضرات!

اس لئے صوفیاء کرام نے اللہ اللہ کا ذکر اس حدیث سے کہ قیامت نہیں ہوگی **حَتّٰی یُقَالُ فِی الاَرْضِ اَللّٰہ اَللّٰہ**، اس حدیث سے اور رئیس الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جہاں سے رخصت کے وقت کے آخری عمل سے لیا کہ میں اللہ اللہ کا ورد اس لئے کر رہا ہوں۔

یہ اعقل الناس، اذکیاء الناس میں سے یہ طبقہ ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے سب کچھ ہوتے ہوئے سب کو لات ماری اور چل دیئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہاں تو شاہی ٹھاٹھ سے رہا کرتے تھے اور کہاں وہ کل والا قصہ جو میں نے بتایا تھا کہ پھٹی چادر جسم پر ہے اور چھاگل ہے۔ عورتیں جس طرح پانی بھرتی ہیں اس چھاگل کو لے کر دریا سے پانی لے کر امام غزالی آ رہے ہیں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام سے عہد

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی انسیت کے لئے دوسرا عالم کھول دیا۔ خود اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے مزار پر حاضر ہوا، تو وہاں میں نے ان سے یہ عہد کیا، بات چیت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ادھر کے دروازے کھول دیئے۔ جب ہی تو اپنے عہد کا ذکر کرتے ہیں کہ عہد یہ کیا کہ میں بادشاہوں کے دربار میں نہیں جاؤں گا، ان کے عطیات قبول نہیں کروں گا، اور تیسرے علمی بحث ومباحثہ کے ترک کی بیعت کی اور عہد کیا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ کیوں کہ جو حکمران طبقہ، یہ بڑا عجیب وغریب کہ علماء کو کس میں مشغول کر دیا جائے، کاہے میں ان کو پھنسا دیا جائے؟ اور آپس میں علماء کو لڑانے اور لالچ طمع میں گھیرنے کے کیسے حربے حکام نے استعمال کر رکھے تھے۔

حکام کہتے کہ یہ مناصب ہیں شہر کا قاضی اور جامع مسجد کا امام، پورے علاقہ کی سب سے بڑی جامع مسجد کا امام، عدالت کا چیف جسٹس، فوج کا امام، ان تمام مناصب کو تم کیسے حاصل کر سکتے ہو؟ اس کے لئے تمہیں ایک امتحان پاس کرنا ہوگا۔ امتحان ممتحن کے سامنے نہیں، ایک عام مجلسِ مناظرہ ہوگی۔ جتنے آنا چاہتے ہیں علماء وہ اس موضوع پر مناظرہ کریں۔ اس میں جو کامیاب ہوگا، وہ یہ منصب لے گا، کتنا ذلیل کیا علماء کو؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس طریقہ سے مناصب پر وہ خود پہنچے ہوں گے، تب انہوں نے عہد کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہ علمی مباحثہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لئے انتظام فرمایا۔

جب یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح دنیا کو خیر باد کہہ کر یہاں سے نکلے ہیں، تو عجیب اتفاق ہے، اب دنیا رو رہی ہے، سارا عالم پریشان کہ اب کیا ہوگا اسلام کا؟ اتنے بڑے آدمی نے درویشی اختیار کر لی۔ اب اس علم کا کیا ہوگا؟ اس علمی مسند کا کیا ہوگا؟ حدیث اور تفسیر کا کیا بنے گا؟

لکھا ہے حالات میں کہ ادھر اللہ تعالیٰ نے انتظام یہ فرمایا کہ بغداد سے جس وقت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نکل رہے ہیں، قریب قریب اسی عرصہ میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تیار ہو کر بغداد میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس دینی دنیوی جاہ پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو افسوس ہوا اور جس کے لئے انہوں نے دنیا کو لات ماری، ان تمام مراحل کو طے کر کے پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ واپس بغداد میں داخل ہو رہے ہیں۔

کیسے انہوں نے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دس سال سے زیادہ گزارے تنہائی میں؟ کبھی دمشق کی جامع مسجد کے منارے پر چڑھ جاتے ہیں، دو سال وہاں رہتے ہیں۔ صخرۃ میں اعتکاف کر لیتے ہیں، دو تین سال وہاں گزارتے ہیں۔ اسکندریا کے برج پر چڑھ گئے، وہاں دو سال گزارے۔

حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کی صحرانوردی

یہی حال حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کا ابتداءِ جوانی میں ہو گیا تھا کہ انہوں نے ساری دنیا کو چھوڑ دیا۔ پڑھنے کے بعد فارغ ہوئے تو زبردست عالم تھے، تمام علوم پر اللہ تعالیٰ نے دسترس عطا فرمائی تھی۔ مگر سب چھوڑ چھاڑ کر کے خود فرماتے ہیں کہ میں نے صحرانوردی اختیار کی، جنگل بیاباں میں اکیلے ہوتے۔

میں نے کہا تھا کہ یہ پاگل پن نہیں ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کس جگہ کو مسکن بنایا تھا؟ غارِ حراء پہاڑ پر، دور مکہ سے باہر جنگل میں، کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ تو حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے صحرانوردی شروع کی اور وہاں نہ کھانا، نہ پینا، نہ کوئی انسان، نہ کوئی مونس، نہ مددگار۔ تو اس میں ان کو مزہ آتا تھا کہ اب کوئی نہیں ہے، ایک اللہ، تو اور میں، آ جا تو، اب تو آ جا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے جوش میں ارشاد فرمایا کہ پیارے، یہ نماز، روزہ،

تلاوت، یہ سب کچھ کاہے کے واسطے، پتہ ہے؟ پھر فرمایا کہ تاکہ بندہ اور اللہ دونوں ایسے ہو جائیں۔

حضرت حاجی امداداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور عشقِ الٰہی

اب وہاں جنگل بیابان میں خطاب اسی ایک ذات سے، بھوک لگے تو، پیاس لگے تو۔ ہمارے حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ، حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں بھی بیان فرمایا، بالمشافہہ ان سے ہم نے سنا، کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ عہد کرلیا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے، یہ عہد کیا، آپ رزاق ہیں، کھانا دیتے ہیں، ہم کھاتے ہیں، لیکن آپ تو نہیں دیتے، آپ کسی کو واسطہ بناتے ہیں، آئندہ سے آپ خود کھلائیں گے تو ہم کھائیں گے، اللہ تعالیٰ سے ناز ہورہا ہے۔

ایک وقت کا فاقہ، دووقت، تین وقت، ایک دن، دودن، تین دن۔ لوگ لارہے ہیں، مگر نہیں کھارہے ہیں۔ اب قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فاقہ میں کتنے دن گزرے ہیں، معلوم؟ سترہ دن۔ اب یہ ٹھان لی ہیں کہ اللہ خود کھلائیں گے، تو ہم کھائیں گے۔

کتنا پیارا اپنے پیدا کرنے والے سے، اپنے مالک سے، اپنے رب سے۔ اور ہم لوگ کتنے دور، اس لئے ہم کہتے ہیں ہم تو وہ ایک نماز ہی ہم کو دی گئی کہ اتنی دیر اس کا تصور کرو، وہ ہم سے نہیں ہوسکتا، ہزار خیالات اور تصورات آجاتے ہیں۔

ایک اللہ والے نے نیت باندھی امام کے پیچھے، سلام پھیرنے کے بعد ہنسنے لگے اور امام صاحب سے فرمایا کہ بھئی، ہمیں تو اپنی نماز دوبارہ دہرانی ہوگی۔

پوچھا، کیا غلطی ہوگئی؟ تو فرمایا، میں تمہارے پیچھے کہاں کہاں دلّی اور کابل اور گھوڑے کا خرید وفروخت؟ ایک گھوڑا پسند نہیں آرہا ہے، دوسرا، پوری نماز میں کہاں کہاں، میں تمہارے پیچھے پیچھے گھومتا رہا۔ اور یہ کہہ کر کھڑے ہوگئے اللہ اکبر، اپنی نماز دہرانے لگے۔

یہاں ایک نوجوان آتے تھے، سالوں پہلے کی بات ہے، ایک طالب علم یونیورسٹی سٹیوڈنٹ تھے، بریڈفورڈ کے تھے۔ بیعت کے بعد ان کا بہت اچھا حال تھا۔ ایک دن کہنے لگے، زاروقطار رو رہے ہیں اور کہنے لگے کہ میرے لئے دعا کریں کہ یہ حال مجھ سے دور ہو جائے کہ میں امام کے پیچھے نیت باندھتا ہوں، امام کے دل میں جو تصورات آتے ہیں وہ میرے سامنے آئینہ کی طرح سے میں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ اور ہم کتنے دوران چیزوں سے اور ہماری نمازیں کیسی؟ جنہیں ہم پڑھ کر مطمئن ہیں۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عہد کیا کہ اللہ خود کھلائے گا تو کھاؤں گا۔ اس میں ایک دن، دو دن، تین دن۔ پھر ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ دروازہ بند ہے، تمام دروازے بند ہیں، اور اوپر سے ناشتہ دان اترا۔ تو خیال ہوا کہ یہاں تو ظاہری واسطہ لانے والا کوئی نہیں ہے اور چھت پھاڑ کر جو اتر رہا ہے، تو اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر کھول کر پھر بند کر دیا کہ نہیں، آپ تو نہیں کھلا رہے ہیں، نہ معلوم کون جنات لایا ہوگا، کون مخلوق لائی ہوگی، تو غیب سے آواز آئی کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے، کھالو، یہ ہماری طرف سے ہے۔

ایک بزرگ ہیں، ابوسعید مبارک۔ انہوں نے، بالکل یہی نذر انہوں نے بھی مانی کہ اے خدا! تو کھلائے گا تو میں کھاؤں گا۔ تو ان کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ چالیس دن گزرے فاقہ میں، چالیسویں دن حضرت خضر ان کے لئے کھانا لے کر آتے ہیں۔

پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابلیس

پیرانِ پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق خود بیان فرماتے ہیں کہ جب صحرانوردی میں بھوک اور پیاس کی ایک دفعہ انتہا ہوگئی اور چالیس دن گزر گئے، تو چالیسویں دن اوپر سے اتر رہے ہیں۔ پوچھا، کون؟ کہا، خضر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ بھیجا ہے۔ کہا کہ نہیں، ہم تو وہ کھلائے گا تو کھائیں گے۔ اسی میں بڑے امتحانات ہوئے پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ

کے بھی۔

ایک دفعہ بادل میں سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر! تم نے بڑے مجاہدے کئے، آج سے تمہارے لئے تکالیفِ شرعیہ ہم نے اٹھا دی ہیں، ہر حرام آپ کے لئے حلال۔ آپ جو چاہو کر سکتے ہو۔ فوراً فرمایا اِخْسَـأْ یَا اِبْلِیْس! دور ہو جا یہاں سے منحوس! مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ تو اس نے دوسرا وار کیا۔ اس نے کہا کہ آج آپ اپنے علم کی برکت سے بچ گئے۔ تو فرمایا کہ خبیث! یہ تیرا دوسرا وار ہے میرے اوپر۔ میں بچ نہیں گیا ابھی، اس دنیا سے آخری سانس تک میں میرے ایمان کو بچالوں گا، تب میں بچ کر جاؤں گا۔ وہاں تک میں خطرے میں ہوں۔ تو اسی خلوت وصحرا نوردی میں یہ امتحان پیش آیا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خصوصی انتظام

پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر کھانا لے کر آئے اور کہا کہ سنت اللہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے اسی طرح بھیجتے اور انتظام فرماتے ہیں۔ آپ کو پیاس بھی لگی ہوگی۔ دیکھئے، آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خود کھلائیں، پلائیں تو ابھی بارش شروع ہوتی ہے، آپ لیٹ جائیے۔ اب منہ کھول کر لیٹے ہیں، بارش سیدھی آسمان سے منہ میں گر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی حق کی سچی طلب نصیب فرمائے کہ ہم اپنے مالک کو جو بھلا بیٹھے ہیں، اس کی یاد کو دل میں بسانے کی کوشش کریں۔

بزرگانِ دین کا ذکر ہو رہا تھا جنہوں نے اللہ کی طلب میں، معرفت کے حصول کے لئے اپنی جانیں لگا دیں۔ ہمارے والد صاحب نور اللہ مرقدہ، ان پر جذب طاری تھا اور ہر وقت جذبی کیفیت میں رہتے تھے۔ اس لئے ایک آدھ دفعہ کے سوا ان سے کبھی کوئی نہ دین کی بات سنی، نہ قرآن سنا، نہ اس طرح کا اور کوئی تذکرہ سنا، نہ انہوں نے کبھی ہم سے یہ پوچھا کہ تم حافظ ہو گئے، عالم ہو گئے، یا کیا پڑھ رہے ہو، کچھ نہیں۔

کبھی ہم تذکرہ کرتے تھے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کا، تو فرماتے کہ آپ کے مولانا صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔بس اتنا ہی ایک جملہ ہوتا تھا (تمارا مولی ساب بوسارا مانس چھے۔) ہم سے کسی چیز کی کبھی فرمائش نہیں کی۔

صرف آخری دن جب اس دنیا سے رخصت ہورہے ہیں، تو آدمی آتا ہے گھوڑے پر سوار بلانے کے لئے کہ والدصاحب بلارہے ہیں۔تو اس وقت فرمائش کی میرے پاس بیٹھ کر یٰسین پڑھو۔ بہت لمبا قصہ ہے، تو انہوں نے صرف زندگی میں جو اس طرح کی باتیں کی ہیں، صرف ایک دفعہ، تصوف کی لائن کا ساری عمر میں ہم نے ان سے ایک جملہ سنا۔فرمایا کہ ہزاروں اللہ کے بندے، ہزاروں مشائخ، اللہ کی معرفت کے حصول کے لئے کوشش کرتے رہے، مگر بہت کم ان میں سے کامیاب ہوئے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو الببلی ہے۔

ایک شعر سے کام بن گیا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، جب اپنی تحقیق کے دوران صوفیاء سے ملے، ان کی کتابیں دیکھیں، اوران کا علم دیکھا، تو انہیں اس کا احساس تو تھا ہی، مگر اللہ تعالیٰ جب کسی کو نوازنا چاہتے ہیں تو کوئی بہانہ بنادیتے ہیں۔تو ایک دفعہ خود ان کے بھائی جو صوفیاء میں سے تھے، تو وہ شعر گنگنارہے ہیں

؎ اِلیٰ مَتیٰ تُسْمِعُ وَلَا تَسْمَعُ
اِلیٰ مَتیٰ تَهْدِیْ وَلَا تُهْدیٰ

کہ کب تک تم لوگوں کو خود سناتے ہی رہو گے اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھتے رہو گے۔اب تم بھی سنو، لوگوں ہی کو سناتے رہو گے۔الیٰ متیٰ تھدِیْ ولا تُھدیٰ، یہی منصب کہ لوگوں کو راستہ دکھاتے رہو، یہ اچھا لگتا ہے، بلکہ تم تو خود محتاج ہو کہ تمہیں کوئی ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر راستہ پر لائے۔

آگے شعر میں الیٰ متیٰ کے بعد شاعر کہتا ہے کہ ہندوستان، پاکستان میں آپ نے دیکھا

ہوگا کہ چھری کُند ہوجاتی ہے،تو اس کو تیز کرنے کے لئے پتھر پر اس کو گھستے ہیں۔اور وہ پتھر پر تیز کرنے والے کبھی شہروں، میں دیہات میں آواز دیتے ہیں۔اس کے پاس چھوٹی سی موٹر سے چلنے والا بڑے وہیل کے ساتھ ایک چھوٹا پتھر گول گھومنے والا ہوتا ہے درزی کی مشین کی طرح، جس سے وہ پتھر گھومتا ہے،اور چھری وہاں رکھتے ہیں تو وہ چھری تیز ہوتی ہے۔

سورت چی چی فارسی والوں کو جو''حکیم چی چی'' کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء واجداد میں سے کسی نے یہی پیشہ اپنے روزگار کے لئے اختیار کیا تھا۔تو جہاں گاؤں میں گئے، بچے شور مچاتے تھے کہ چی چی والے بابا آگئے، چھری تیز کرنے والے۔

شاعر یہ کہتا ہے کہ کب تک تم دوسروں کے لئے کام کرتے رہوگے؟ ان کی چھری تو تم نے تیز کر دی۔ وہ آپ سے کام لے رہے ہیں، آپ پتھر بنے ہوئے ہیں اور ان کی چھری تیز ہو رہی ہے، وہ واصل الی اللہ ہو رہے ہیں، اور آپ اسی طرح پڑے ہوئے ہیں، آپ کے اپنے کلام سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں، دوسری مخلوق فائدہ اٹھا رہی ہے، ان کی چھریاں تیز ہو رہی ہیں۔

جب یہ اپنے بھائی کی زبانی جو عارف باللہ تھے ان کی زبانی جب یہ کلمات انہوں نے سنے تو دل کو لگے۔فوراً اسی وقت سب چھوڑ چھاڑ کے نکل پڑے۔ پہلے سے ذہن تو بنا ہوا تھا، تیار تو ہو چکے تھے، ایک دھکّے کی ضرورت تھی، چل پڑے۔ دس بارہ برس گھومتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا کام بنادیا۔

اسی سفر میں بغیر کسی کتاب کے اور بغیر کسی کتب خانہ کے، جو اپنی یادداشت سے جو کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے احیاء العلوم۔اسی لئے اس میں اتنی تاثیر ہے کہ یہ کبھی تو قدس میں لکھی جارہی ہے، کبھی صخرۃ میں لکھی جارہی ہے، کبھی اسکندریہ میں لکھی جارہی ہے، کبھی جامع مسجد کے منارہ پر دمشق میں لکھی جارہی ہے۔تو اسی طرح معرفت کی تلاش کے لئے جب یہ نکلے ہیں، تو اسی وقت حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ داخل ہو رہے ہیں۔تو یہ امام غزالی نکلے ایک شعر سن کر کے اور اسی سے اللہ تعالیٰ نے آگے ان کا کام بنادیا۔

سچی طلب

اس پر مجھے شیخ سعدی کے ہم وطن، شیخ طبانی شیرازی یاد آئے۔ وہ امّی محض تھے، کچھ نہیں جانتے تھے، بہت بھولے بھالے۔ ایک دفعہ کسی مدرسہ میں پہنچ گئے۔ دیکھا کہ طلبہ اپنے درس میں مصروف ہیں، مطالعہ میں ہیں، بحث مباحثہ ہو رہا ہے، کتاب یاد کی جارہی ہے، تو یہ ان کے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ یہ آپ لوگ پڑھ رہے ہو، مجھے بہت اچھا لگتا ہے یہ آپ لوگوں کا پڑھنا، آپ کا علم شریعت، تو مجھے بھی یہ علوم پڑھنے ہیں۔

اب وہ طلبہ ہم عمر اور جب کوئی نگراں بھی نہ ہو، ان کی جماعت میں کوئی پہنچ جائے اور پھنس جائے تو اس کا اللہ ہی حافظ۔ تو یہ بیچارے پہنچ گئے، ان طلبہ سے جو سوال کر دیا تو طلبہ کیا جواب دیتے ہیں؟

وہ کہتے ہیں کہ اس کے لئے تو اوندھا لٹکنا پڑے گا، علم شریعت اور علم طریقت کا حصول ویسے تھوڑا ہی ہوگا؟ اوندھا لٹکنا پڑتا ہے۔ یہ تو میں نے کہا امّی محض تھے، بھولے بھالے، تو انہوں نے پوچھا کیسے؟ کہنے لگے کہ تم گھر جاؤ اور رسّی کے ساتھ اوندھے لٹک جاؤ اور ساری رات یہ پڑھتے رہو، وظیفہ ہم بتاتے ہیں آپ کو۔ تو وظیفہ ان کو سکھایا۔ کیا وظیفہ؟ کہ **کُزبُرہ عُصفُرہ، کُزبُرہ عُصفُرہ، کُزبُرہ عُصفُرہ**، یہ رنگین دھنیا۔ ایک مہمل لفظ۔

ویسے ہی شرارت میں طلبہ نے تو کہہ دیا، مگر طلب سچی تھی۔ تو سچ مچ یہ گئے اپنے گھر اور کہہ دیا گھر والوں سے کہ مجھے ایک وظیفہ کرنا ہے، مجھے لٹکا دو۔ اوندھے لٹک گئے، ساری رات پڑھ رہے ہیں، ان کا کام ایک رات میں بن گیا۔ صبح گھر والوں سے کہتے مجھے کھولو اور اسی مدرسہ میں پہنچے اور رو رہے ہیں کہ بہت شکریہ تم لوگوں کا کہ تم نے مجھے علومِ شریعت اور علومِ طریقت سے نواز دیا۔

طلبہ پھر ہنستے ہیں۔ تو پھر وہ شرارت میں پوچھتے ہیں کہ اچھا **کتاب الطھارۃ** کا ایک مسئلہ

بتاؤ۔تو جوانہوں نے پڑھنا شروع اور بولنا شروع کیا،تو کیا ان کا محدث اور کیا ان کا حافظ اور کیا ان کا فقیہ اور مفتی۔شریعت کا جو باب چھیڑ دیتے وہ پڑھنا شروع کر دیتے۔ سچی طلب پر ایک رات میں کام بن گیا۔

امام غزالی اور پیرانِ پیر رحمہما اللہ کی صحرا نوردی

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طلب کا تو کیا کہنا،توان کا کام بنا دس بارہ برس میں۔اور ادھر میں نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دین کا محافظ ہے۔تو مخلوق رو رہی ہے بغداد کا کیا ہوگا، ہمارا کیا ہوگا؟

یہ جارہے ہیں اور اسی عرصے میں پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ تیار ہوکر داخل ہورہے ہیں،جن کا قصہ بتایا تھا کہ پچیس برس انہوں نے صحرا نوردی کی،جنگل کی خاک چھانی،اور مخلوق سے بھاگتے رہے۔

یہ رہبانیت نہیں ہے۔لوگ تو مذاق اڑاتے ہیں، کہتے ہیں یہ تو ممنوع ہے اسلام میں، **لا رهبانية فى الاسلام** ۔ جو چاہے الزام لگاتے رہو،مگران کی تو لو لگی ہوئی تھی اوپر کو تار جوڑنے کے لئے،اس کو مضبوط کرنے کے لئے،معرفت کے حصول کے لئے،پچیس برس لگے رہے اور بہت بڑے محدث،اور محدث بھی کٹّر حنابلہ کے حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ،ان کو کیسے کہو گے کہ رہبانیت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کیا پچیس برس؟ اور اس میں وہی عہد کیا ہے کہ الٰہی! تو خود مجھے کھلا۔پھر کوئی لے کر آتا ہے،تب خضر لے کر آتے ہیں۔

جو کل ابلیس کا قصہ سنایا تھا،تو اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ دیکھا کہ کوئی انسان سونے کے برتن میں پیالہ میں پانی لاکر پیش کرتا ہے۔پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے ہے۔تو پیالہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے منہ پر مار کر فرمایا،**اِخْسَأ یَا اِبْلِیْس** ۔ سونے کا پیالہ،سونے کا برتن،تو حضرت خضر جب آسمان سے طباق لے کر اترے اور پیش کیا،

کھانا کھایااوراس کے بعد بارش براہ راست آسمان سے برستی ہے،ادھر سیراب ہوتے ہیں۔اس کے بعد حضرت خضر ہاتھ پکڑ کر فرماتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بغداد میں جا کر بیٹھئے اور مخلوق کو ہدایت کیجئے اور ان کو اللہ کی طرف بلانے کا اور دعوت کا کام کیجئے۔

پھر جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کام لیا کہ یہ پچیس برس کی صحرانوردی کے مجاہدوں سے معرفت کے کس منصب پر یہ فائز ہوئے ہوں گے کہ بڑے عجائبات ہیں،سب سے زیادہ اگر دیکھا جائے تو عجائبات اور کرامات حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

ایک مرتبہ خود سنانے لگے کہ جب میں وہاں صحرانوردی میں تھا پچیس برس تک، تو وہاں میرے ساتھ رجالِ غیب کبھی ہوتے تھے، کبھی جنّات ہوتے تھے۔آج ہمارے حاجی اجمل صاحب بھی آئے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہاں زکریا مسجد میں جنات ہوتے تھے۔یہاں دارالعلوم میں بھی جناتوں کا ذکر یہ سنتے تھے۔تو پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارواح میری تسلی کے لئے آتی تھیں اور حضرت خضر بار بار آتے تھے۔اخیر میں وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لے کر آئے کہ بغداد جا کر ہدایت خلق کا کام کرو۔

او اسرائیلی ، آ جا ! محمدی کا خطاب سن لے !

ان کے درس کا یہ حال تھا کہ کبھی درس ہورہا ہے، ستر ستر ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ پہلے تو اپنی مسجد میں شروع کیا، پھر جامع مسجد میں منتقل ہونا پڑا، پھر آپ کا منبر عیدگاہ میں لے جایا گیا۔ جب کوئی جگہ کافی نہیں ہوسکی، تو پھر جنگل میں درس کی مجلس لگانی پڑی۔ ہزاروں مشائخ اور علماء آپ کے بیانات نوٹ کرتے تھے اور لکھتے تھے۔

بیان ہورہا ہے اور اسی اثناء میں فرماتے ہیں آجا آجا، او اسرائیلی، آجا، محمدی کا کلام سن لے۔ کہ حضرت خضر سے صحرانوردی میں بار بار ملاقات ہوئی ہے، تو جب دوبارہ آتے ہیں تو انہیں خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ او اسرائیلی آجا! اسی جملہ پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے

ہمارے کئی قصے ہیں کہ مجلس میں فرمایا آجا، پیارے آجا!۔

ایک دفعہ عشرۂ ثانیہ کے آخری ایام کی بعد مغرب کی مجلس کے دوران کسی نے مجھے حوض پر کہا کہ حضرت تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔ میں بھاگا ہوا گیا۔ بیٹھنے سے پہلے حضرت نے فرمایا ارے یوسف! میں نے زور سے کہا جی حضرت! اس پر ساری مسجد مشائخ کے قہقہوں سے گونج گئی، یہاں تک کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہر چند سیکنڈ کے بعد ہنسی روکنے کے لئے چہرہ اور ڈاڑھی پر ہاتھ ملتے تھے۔ میں حیرت زدہ کھڑا ہوں کیوں کہ یہ مجھے خطاب نہیں تھا۔ یہ تو کسی قصہ کے دوران حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت کوئی حکایت فرما رہے تھے۔

مختلف آراء ہیں حضرت خضر کے بارے میں کہ یہ لمبی عمر جو پائے ہوئے ہیں، کب سے ہیں؟ کسی نے کہا کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام جب اس روئے زمین پر تھے، اسی وقت سے ہیں۔ اور کسی نے کہا کہ اس کے کچھ عرصہ بعد کے ہیں۔ کسی نے کہا کہ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ تو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس سے معلوم ہوتی ہے جو خطاب کرتے ہیں او اسرائیلی، آجا! محمدی کا کلام سن لے۔ اس جملہ سے ان کی رائے معلوم ہوتی ہے۔

اور کبھی غصہ میں ہوتے تھے، جلال آتا تھا، علماء مشائخ کو ڈانٹتے تھے۔ تو چونکہ وہ ایک سلسلہ تھا، بڑے بڑے منصب بیچاروں نے پائے ہوئے تھے، مسجد میں امام ہیں، بڑی بڑی تنخواہیں مل رہی ہیں، تو ایک مادّی ذہن بنا ہوا تھا، تو ان کی اصلاح کے لئے فرماتے تھے کہ او عالمو! اے صوفیو! اس کے بعد غصہ میں فرماتے کہ تمہارے عماموں کو آگ نہیں لگ جاتی؟ یہ کوئی الفاظ نہیں ہوتے تھے۔ تو سچ مچ آپ کے سامنے جو آپ کے بیٹے ابھی پڑھ رہے تھے، عالم بن رہے تھے، بیٹھے ہوئے ابا جان کا خطاب سن رہے تھے، تو انہیں کے عمامہ میں آگ لگ گئی۔

ہر دفعہ ایسا ہوتا تھا۔ جو کلمہ نکلا، تو ایک آدھ واقعہ اسی جگہ پر مخلوق دیکھ لیتی تھی، جس سے وہ سمجھتے تھے کہ کوئی یہ لفّاظی نہیں ہے۔ کبھی فرماتے تھے کہ تمہاری خانقاہیں زمین میں دھنس نہیں جاتیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جونقشہ کھینچتے ہیں کہ کیا حالات تھے اس وقت کے کہ حکومت نے لوگوں کواور عوام الناس کواور علماء اور خواص کو بگاڑ رکھا تھا۔ دیکھئے، اس علماء ہی کے طبقے کو اس طرح خراب کیا کہ منصب کا حصول موقوف رکھا گیا مناظروں پر کہ جو مناظرہ میں کامیاب ہو، وہی مسجد میں امام ہوگا۔ اس سے بڑے مناظرہ میں جو کامیاب ہوگا وہ جامع مسجد کا امام ہوگا۔ اس سے بڑے مناظرہ میں جو سب علماء کو مات کردے گا وہ قاضی بنے گا۔ اور سب سے بڑا چیف جسٹس بننا ہے تو سب کو مات دے دے۔ تو یہ ایک ذہن بنا رکھا تھا، اس لئے یہاں سے کام شروع کیا حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کی اصلاح فرمائی۔

محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اور اسی لئے فرماتے ہیں، اپنے حالات خود بیان فرماتے ہیں پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ۔ فرمایا کہ میں ایک دفعہ گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص بہت ناتواں، لاغر، کمزور، صرف سانس جاری ہے، تو مجھے اس پر بڑا رحم آیا۔

میں اس کے پاس پہنچا، میں اس کے قریب جا کر میں بیٹھ گیا اور میں نے اس کو دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ جو سانس بالکل آخری گنے جا رہے تھے تو وہ سانس تیز ہونے شروع ہوئے، اب حرکت شروع ہوئی، اب آنکھیں اس نے کھولی، تو میں خوش ہوا۔ لیکن تعجب بھی ہو رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن جب وہ گلا، سڑا جسم صرف ہڈی اور چمڑا، اس پر گوشت کا نام نہیں تھا، جب وہ گوشت بننے لگا اور ہاتھ گول گول ہونے لگے، پیر گول گول ہونے لگے، وہ صحت مند انسان بننے لگا، تو مجھے خوف محسوس ہوا کہ یہ کیا بلا ہے؟

وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا کہ نہیں نہیں، آپ گھبرائیں نہیں۔ میں کون ہوں؟ آپ مجھے پہچانتے ہو؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔

فرمایا کہ میں آپ کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہوں۔ کیوں کہ حضرت پیرانِ پیر

سادات میں سے ہیں۔فرمایا کہ میں آپ کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہوں۔آپ نے مجھے زندہ کیا، اس لئے آج آپ محی الدین ہو۔تو یہ صحرانوردی، جس کو ہم رہبانیت کا نام دیتے ہیں، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اتنا نوازا، اتنا نوازا کہ دنیا کو دین سے اور علم سے اور عمل سے بھر دیا۔اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی زندہ کرے۔

حضرت پیرانِ پیر سیدنا عبدالقادر محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح پچیس برس تک جنگل اور صحراء کی خاک چھانی اللہ کی طلب میں کہ تو کدھر ہے؟ اور اسی میں پھر اللہ تعالیٰ نے جب انہیں نوازا اور ان سے وہ کام لیا گیا جس کی وجہ سے حضرت امام غزالی کو اپنا سب کچھ چھوڑنا پڑا تھا اور جس مدرسہ اور جس مدرسہ کی پڑھائی اور جس طریقۂ کار اور سارے سلسلہ سے انتہائی متنفر ہو کر وہ نکلے تھے کہ یہ تو سارا کا سارا جال ہے، نفس اور ہوا کے لئے سب کچھ ہو رہا ہے، تو پھر کیا مدارس، کیا مساجد، کیا نمازیں، کیا زکوٰۃ، روزہ، حج، اور کیا طریقت کے سلاسل، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ، ایک شخص واحد کی برکت سے ان سب کو زندہ کر دیا۔

الالقاب تنزل من السماء

بزرگوں کے یہاں کے القاب الأَلْقَابُ تَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، القاب دیکھنے ہوں، تو تنظیموں اور مدارس کے جلسوں کے اشتہار دیکھ لیں۔

اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ہم ریونین پہنچے، تو حضرت نے فرمایا کہ جو یہاں کا چوبیس گھنٹے کا نظام الاوقات ہے مجھے بھی سنا دو، جو انہوں نے چھپوایا ہے۔تو میں نے پڑھنا شروع کیا کہ قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا۔

یہاں پہنچا، حضرت نے فرمایا اس کو کاٹ دو۔ میں نے سوچا حضرت ویسے ہی فرما رہے ہیں۔اتنے میں فرمایا کہ ’پیارے، اس کو کاٹ دے‘۔ اور اس کی جگہ لکھ دے ربُّ السَّماوات والارض۔تو اس کے بعد فرمایا’ ارے پیارے، مولوی زکریا لکھ دیتے، مولانا زکریا لکھ دیتے،

ان تمام القاب کے لکھنے کی کیا ضرورت۔

'شیخ الحدیث' کا لقب

حالانکہ وہ سب لقب ہمارے بنائے ہوئے نہیں تھے، مولانا محمد زکریا، اس سے پہلے شیخ الحدیث، وہاں مدینہ طیبہ میں ایک سے زائد مرتبہ خط آیا ہے کہ شیخ الحدیث مدینہ منورہ، پہنچ گیا۔ ایک دفعہ خط آیا شیخ الحدیث ،بقیع ، مدینہ منورہ،پہنچ گیا۔ مکہ مکرمہ میں خط آتا ہے شیخ الحدیث مکہ مکرمہ، اور وہ پہنچ گئے۔ پہلے دارالحدیث جاتا تھا اور وہ دارالحدیث والے یہاں بھیجتے تھے، تو شیخ الحدیث بھی غلط نہیں تھا۔

تمہیں قطب الاقطاب بنا دیا گیا

قطب الاقطاب، میں جب حضرت کے یہاں، حضرت کے وصال سے پونے دو برس ڈیڑھ برس پہلے مدینہ طیبہ پہنچا، تو مصافحہ اور ملاقات کے ساتھ ہی فرمانے لگے، وہ خواب تو نے سن لیا؟ میں نے کہا، نہیں۔

فرمایا کہ ابھی میں نے تین چار روز پہلے خواب دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف رکھتے ہیں اور یہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شاہ صاحب کو فرمارہے ہیں کہ ان سے کہہ دو کہ تمہیں قطب الاقطاب بنا دیا گیا اور لوگوں کو یہ بتا دیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ خواب ہی میں میں دل میں سوچنے لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں، میں سامنے حاضر ہوں، مجھے خود ارشاد کیوں نہیں فرمارہے ہیں؟ شاہ صاحب کو فرمارہے کہ ان سے کہہ دو کہ تمہیں قطب الاقطاب بنا دیا گیا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ میرے ذہن میں آئی کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں جب میں پڑھا کرتا تھا، انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے واقعات صرف ایک جگہ پر چالیس لکھے ہیں "الدُّرُّ الثمین فی مبشّرات النبی

الامین'' کہ نبی امین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشرات جو حضرت شاہ صاحب کو ہوئے۔

اس میں کہیں فرماتے ہیں کہ میں قائم الزمان ہوں کہ تمہیں قائم الزمان بنا دیا گیا۔ تو مجھے اشکال ہوتا تھا کہ یہ چیزیں تو چھپائی جاتی ہیں۔ تو انہوں نے مستقل کتابی شکل میں اس کو کیوں لکھا ہوگا؟

یہ چیز دل میں کھٹکتی تھی۔ تو اب اس کا جواب یہاں ملا کہ جس طرح یہاں حضرت شاہ صاحب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واسطہ بنایا کہ گویا تمہیں ان کے متعلق اشکال تھا، تو جس طرح ہم آپ کو فرما رہے ہیں کہ تم اس کو چھپاؤ نہیں کہ تمہیں قطب الاقطاب بنا دیا گیا، بلکہ لوگوں کو بتا دو، تو اس طرح یہ جو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے قائم الزمان بنایا گیا، تو یہ بھی مامور ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، اللہ عزوجل کی طرف سے ان کو حکم ہوا ہوگا۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو محی الدین کہا جاتا ہے، اس دن سے آپ کا یہ لقب ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا اور پھر اس نے کہا کہ تمہیں آج سے محی الدین بنا دیا گیا۔ پھر وہ غائب۔ میں چل کر جیسے مسجد میں پہنچا، تو دور سے ایک آدمی نے اشارہ کیا، آجاؤ! آجاؤ! یہ محی الدین آ گئے۔ اب ان کو کیسے پتہ؟ عوام، وہاں کی پبلک کے دل میں اوپر سے ڈالا گیا، **الالقاب تنزل من السماء**.

اسی لئے یہ جو ہمارے اکابرین میں جن کے حالات آپ نے سنے، ان کے، نظام الدین تھانیسری، حضرت جلال الدین، اور صابر پیا کلیری، حضرت علاء الدین، یہ ان کے مرید حضرت شمس الدین ترک، یہ سارے کے سارے علاء الدین، جلال الدین، نظام الدین، شمس الدین نام نہیں ہیں، یہ القاب ہیں، نام ان کے کچھ اور ہیں۔ جیسے حضرت شاہ عبدالحق صاحب ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی تو ہے احمد۔ مگر جیسا بتایا کہ ان پر حال ہر وقت غالب رہتا تھا اور اس دنیا میں آتے ہی نہیں تھے، نماز کے وقت حق حق کہہ کر جب خادم چلنا شروع کرتا، تو اس کی آواز کے پیچھے وہ چلتے تھے۔ تو وہیں سے ان کا لقب عبدالحق ہو گیا۔

حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے روحانی سلسلہ کو دوبارہ زندہ کیا۔اسی طرح ہمارے یہاں بھی ہمارے اکابرین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس سلسلہ کو زندہ فرمایا، ورنہ یہ سلسلہ خرافات کا مجموعہ بنتا جارہا تھا۔یہ دین، یہ طریق اور یہ سلسلہ اور یہ تصوف، سب کو ہمارے اکابر نے سنت کے سانچہ میں ڈھالا۔جیسا کہ رسالہ ہفت مسئلہ کے بارے میں حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، پیرومرشد سے شریعت کے مسئلہ کی بناء پر اختلاف کیا۔

شریعت اور طریقت کا توازن

اپنے پیرومرشد سے اختلاف کر کے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے شریعت وطریقت کا توازن برقرار رکھا اور اس سے ان کے مرتبہ کو اور عروج ملا، حالانکہ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کو مرشد سے فنائیت کے درجہ کا تعلق تھا۔

تصورِ شیخ کے ذیل میں بتایا تھا کہ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید پر جو حال طاری ہوا تھا، وہ چاروں طرف جدھر دیکھتا ہے ادھر سید احمد بریلوی صاحب، ادھر بھی، ادھر بھی، چاروں طرف، تو وہ پریشان کہ میں نماز کیسے پڑھوں، چلوں کیسے، چاروں طرف سے، جدھر نگاہ کرتے، آنکھ کھولتے ہیں، سید صاحب موجود۔

سید صاحب کے پاس لے گئے تو سید صاحب نے کیا پڑھ کر دم فرمایا، حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ مجھ کتے کا تصور کرتا ہے! چھوڑ مجھ کتّے کے تصور کو! یہ کہتے ہی ان کی وہ کیفیت ختم، تصورِ شیخ کا جو غلبہ ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے تشریف لے گئے مکہ معظّمہ، تو برسوں ان کی شبیہ میرے قلب میں رہی، کوئی کام ان کو پوچھے بغیر میں نے نہیں کیا۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ اور آگے بتا دوں؟ ارواح ثلاثہ میں حضرت امیر خان صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اور آگے بتا دوں؟ خادم نے عرض کیا کہ فرمایئے۔ تو فرمایا کہ اس کے بعد برسہا برس سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی رابطہ رہا۔ کوئی کام میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھے بغیر نہیں کیا۔

جب یہاں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری کے لئے میں نے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ پیارے! تجھے تو ہمارا معمول معلوم ہے کہ مجھے کہنے کے بجائے وہاں عرض کر و روضۂ اقدس پر، جو وہاں سے حکم ہوگا۔ اسی لئے شعر میں حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن کا اٹھنا، بیٹھنا، سفر، حضر، نقل، حرکت ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذن کے بعد ہوتی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برسہا برس یہ حال رہا، اس کے بعد جوش میں اور زیادہ جوش میں فرمانے لگے کہ اور بتاؤں؟ اور آگے بتاؤں؟ فرمایا کہ اس کے بعد تو میں کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے پھر اس کے بعد مرتبہ احسان عطا فرما دیا، ہر وقت اللہ تعالیٰ۔

نَافَقَ حَنْظَلَة

یہ اس کے حصول کے لئے پچیس برس صحرا نوردی کی حضرت محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اور سالہا سال حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہدے کئے۔

اور یہ جو ہم اپنی ان نمازوں پر، اپنے ذکر و اذکار پر، اس موجودہ دین پر ہم قناعت کئے بیٹھے ہیں دوستو! یہ کافی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ جو اس وقت میں آپ سے کچھ کلمات عرض کر رہا ہوں، بول رہا ہوں، یہ بھی سب نفاق ہے۔ جو الفاظ ہیں وہ اندروں کے مطابق نہیں ہے اور نفاق اسی کو کہا جاتا ہے کہ الفاظ کچھ اور ہوں، اندر کچھ اور۔

نَـافَقَ حَنْظَلَه فرما کر صحابۂ کرام روتے ہیں اپنے بارے میں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے حضرت حنظلۃ الغسیل رضی اللہ تعالی عنہ آ کر کہتے ہیں کہ میں تو منافق ہو گیا۔تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ پوچھتے ہیں، کیسے؟ تو بتاتے ہیں کہ ایسے کہ ہمارا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو کچھ حال اور ہوتا ہے، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کچھ سنتے ہیں اور جب وہاں سے اٹھتے ہیں، تو میرا حال کچھ اور ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میرا حال بھی میں ایسا ہی پاتا ہوں۔چلو جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں۔تو دوستو! یہ اس کا موازنہ کریں کہ ہمارا اندر اور باہر ایک ہے یا نہیں۔یہ جو ہم پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ، تو اس کی کوئی حقیقت ہے ہمارے دل میں یا صرف الفاظ ہیں اور اس کی حقیقت کوئی نہیں۔پھر تو یہ الفاظ اور اندرون دونوں میں مطابقت نہ ہو، وہ تو منافقت ہے۔ہمارے اکابر نے جو ایک جادہ اور طریق اور راہ مستقیم ہمیں چل کر دکھایا، عمل کر کے دکھایا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور آج کی رات بہت مبارک ہے۔جس طرح میں نے بارہا کہا یہ ہماری لفاظی سے آگے کچھ نہیں۔ہم میں سے ہر ایک اپنے ایک کام سے خوش ہے۔امام اپنے کام سے خوش ہوتا ہے کہ میں نے آج بہت اچھا پڑھ دیا، مجھے بہت اچھا یاد تھا۔مقرر جب بیٹھ جاتا ہے، تو سمجھتا ہے کہ یہ سارے کے سارے بڑے گناہ گار ہیں۔ان کے لئے اللہ نے مجھے مصلح بنا کر بھیجا ہے۔وہ جو مصلح اور دین کا احیاء کرنے والے تھے، وہ تو تھے حضرت پیرانِ پیر محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔اور ان کا تصرف کیسے چلتا ہے؟ روحانیت کیسے کام کرتی ہے؟ اس کے بڑے واقعات ہیں۔

اکابر کا تصرف

پہلے آپ کو بتایا تھا کہ ۱۹۸۴ء ہے۔اور میں خواب دیکھتا ہوں اور صبح حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ یہاں راشدیہ سلسلہ کے بزرگ، پیر

راشدی فرما رہے ہیں کہ یہاں ہمارے پاس آؤ۔ تو مولانا یوسف لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں کہ بہت دور سندھ میں اندرونِ سندھ ان کا مزار ہے، آپ کمزور آدمی ہیں، کچی سڑک ہے، پانچ سات گھنٹے کا سفر ہے، آپ جا نہیں سکتے۔ تو خواب بیان کر دیا، ان کا جواب ہو گیا، بات ختم ہو گئی۔

دو تین سال کے بعد مجھے حرم شریف میں مولانا سیف الرحمٰن صاحب تلاش کرتے ہیں کہ حضرت درخواستی تمہیں یاد فرما رہے تھے۔ تو وہاں جب میں خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو وہی کلمہ حضرت درخواستی فرماتے ہیں کہ گذشتہ کل میں جب صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوا، تو مجھے وہاں سے حکم ہوا کہ میں تمہیں ہمارے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اجازت دوں۔

اب یہ دو تین برس پہلے وہاں سندھ میں مجھے طلب کیا گیا کہ وہاں میں حاضر ہوں، وہی راشدیہ قادریہ سلسلہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں حکم ہوتا ہے اور وہی الفاظ بھی، ورنہ اپنی طرف سے وہ اپنے الفاظ میں بھی کہہ سکتے تھے، اس کے بجائے فرمایا کہ وہاں سے مجھے حکم ہوا کہ میں آپ کو بیعت کی اجازت دوں، الفاظ بھی فرمایا کہ وہاں سے مجھے حکم ہوا کہ میں ہمارے سلسلہ قادریہ میں آپ کو بیعت کی اجازت دوں۔ تو بزرگوں کے یہ تصرفات ہیں۔

تصرف یہ پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کا اس قدر چلا، ان کے زمانہ میں دین کو انہوں نے دوبارہ زندہ کیا اور جو دین ختم ہو چکا تھا مدرسہ میں، خانقاہ میں، مسجد میں اور معاملات اسلامیہ، معاملات شرعیہ میں، ہر چیز میں جو ایک نئی روح اور نئی زندگی آئی، ان کی توجہ کی برکت سے اور ان کے تصرف سے۔ اور یہ تصرف ان کا پھر صدیوں چل رہا ہے، وہ روحانی فیض ان کا اب تک جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابرین کی خدمتوں کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ جیسا میں نے اس دن بھی عرض کیا کہ یہ مبارک راتیں ہیں۔ لفّاظی میں، کہنے سننے میں ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ خاص طور پر یہ بہت مبارک رات، اللہ تعالیٰ آج کی رات میں روئے زمین پر جہاں کہیں اہلِ

اسلام دعا میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائے، بالخصوص سب سے اہم ترین اس وقت جو قیامت گزر رہی اہلِ اسلام پر اور اہلِ اسلام نشانہ ہیں، اور دینی سلسلہ کو ختم کرنے تک کی ٹھانی جارہی ہے، اللہ دین اسلام کی حفاظت فرمائے۔

ہر زمانہ کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے۔ چنانچہ پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ فتنہ جوانہوں نے ذکر کیا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے، وہ ایک تعیُّش کا فتنہ تھا، مادیت کا فتنہ تھا، اس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان سے کام لیا۔ اور آج ظلم و بربریت کی انتہاء ہے، مسلمانوں پر جگہ جگہ ظلم و ستم ہورہا ہے، ان کے وجود سے، اس لفظ اسلام سے اور اسلامی شعائر سے دشمنوں کو چڑ اور نفرت ہوگئی ہے کہ ان کو کس طرح ختم کیا جائے، اس لئے آج کی مبارک رات میں خاص اس کے لئے گڑ گڑائیں اور دعا کریں۔

چہار ترک: ایک اور تعبیر

جیسا میں نے عرض کیا کہ چار کلیوں والی ٹوپی بزرگ عنایت کرتے تھے اور اس سے مطلب ان کا یہ ہوتا تھا کہ ترکِ گفتن، ترکِ خوردن، ترکِ خفتن، ترکِ اختلاط کردن، کہ سونا چھوڑ دو، کھانا چھوڑ دو، ملنا چھوڑ دو، بولو نہیں۔ یہ اس طرح کسی نے اس کو تعبیر کیا کہ مجھے میرے پیر نے یہ ٹوپی عطا فرمائی اور اس کے ساتھ چار نصیحتیں فرمائی۔ چار نصیحتیں کیا تھیں کہ چھوڑنا سیکھو، ترک کرنا سیکھو۔

جس طرح انہوں نے جنگل میں جاکر سب کو چھوڑ دیا، صحرانوردی کے بغیر ان تمام علائق کو ہم چھوڑ نہیں سکتے، اس لئے وہ جنگل میں بھاگ جاتے تھے۔ پچیس برس کے لئے پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ بھاگ گئے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں کو چھوڑ کر غارِ حراء پر تشریف لے گئے۔ تو یہ چھوڑنا ان کے یہاں بڑا اہم اور ضروری تھا۔

ایک بزرگ کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے میرے پیرومرشد نے جب ٹوپی عطا فرمائی، تو پھر

ارشاد فرمایا کہ چار (۴) چیزیں چھوڑ دو۔ یہ چار اس کی کلیاں ہیں۔

۱۔ایک فرمایا کہ ترکِ دنیا۔ دنیا سے کسی قسم کی کوئی محبت، کوئی علاقہ تعلق، کسی طرح کا تمہارا نہ رہے، نہ تمہاری ملک میں دنیا رہے، نہ دنیا سے تم کسی طرح کا تمتع اور فائدہ اٹھاؤ۔ بالکلیہ اس کو چھوڑ دو۔ یہ تو سمجھ میں آتا ہے۔

۲۔اس کے بعد فرمایا کہ ترکِ عقبٰی۔ آخرت کو بھی چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے چھوڑ دیا۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

نہ دنیا دوست می دارم، نہ عقبٰی را خریدارم
مرا چیزے نمی باید بجز دیدار یا اللہ

وہ کہتے تھے اللہ کو خطاب کر کے الٰہی! نہ مجھے دنیا چاہئے، نہ مجھے حور وقصور اور جنت چاہئے، مجھے تو صرف تو چاہئے۔تو ان نعمتوں کو بھی حارج سمجھتے تھے، عقبٰی کو بھی، آخرت کو بھی، جنت کو بھی، نعمتوں کو بھی، حور وقصور کو بھی۔

۳۔اور آگے فرماتے ہیں کہ تیسری چیز جس کے ترک کے لئے میرے پیر ومرشد نے فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ ترکِ خودی۔ کہ جب تم تمہارے خدا کو یاد کرو، ایک مقام آتا ہے اللہ اللہ اللہ کرتے وقت۔ وہ کہتے ہیں کہ اتنا اللہ کو بساؤ کہ تم اپنے آپ کو بھی بھول جاؤ۔ جیسے وہ خوب محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے جس بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتے۔ وہ جب وضو کرتے ہوئے حوض میں اپنی تصویر دیکھتے، تو پوچھتے کہ تو کون؟ اپنے آپ سے نکل جاؤ، ترکِ خودی، تم اپنے وجود کے تمام تقاضوں کو بھول جاؤ، صرف اسی میں محو ہو جاؤ، صرف وہی رہ جائے۔

۴۔اب ایک چیز رہ گئی کہ اپنے وجود کو بھی بھلا دیا، مگر یہ طلب تو ہے کہ مجھے یہ ملنا چاہئے، خدا تو مجھے مل جا۔تو فرمایا، ترکِ طلب۔ یہ طلب بھی تمہیں یاد نہ رہے کہ تم کچھ مانگ رہے ہو۔

ہوائے نفس

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ان کا رسالہ نکلتا تھا جس کا نام پہلے شاید کچھ اور تھا، بعد میں وصیۃ العرفان کے نام سے نکلتا تھا۔ میں پڑھا کرتا تھا، وہاں کوئلہ والے ہمارے اسمٰعیل بھائی دوست تھے راندیر میں، وہ منگوایا کرتے تھے۔ تو اس میں حضرت کے حالات تازہ بتازہ آیا کرتے تھے۔

حضرت جمعہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے تھے، تو جمعہ سے پہلے حضرت نے وعظ شروع فرمایا۔ یہاں سے شروع فرمایا، آج میں سوچ رہا تھا کہ کیا بیان کروں۔ راستہ میں جب میں مسجد میں داخل ہو رہا تھا، تو صحن میں حکیم صاحب ملے۔ اور حکیم صاحب اس طرح ہاتھ پیٹ پر پھیرتے ہوئے فرمانے لگے حضرت، دعا فرمائیں یہ ہوا نے، گیس نے، بہت پریشان کر رکھا ہے۔ تو فرمایا کہ اوہ ہو! میں نے سوچا کہ میں متلاشی تھا کہ کیا بیان کروں، مجھے موضوع مل گیا کہ سب سے بڑی مصیبت یہ ہوا، خواہش، طلب ہے۔ اس پر حضرت نے اس دن وعظ فرمایا۔

ٹوپی والے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے پیر و مرشد نے فرمایا کہ یہ چار ٹکڑے ہیں، جس سے یہ ٹوپی بنی ہے۔ تو اس سے:

۱۔ ایک ٹکڑے سے اشارہ ہے ترکِ دنیا کی طرف،

۲۔ ایک سے اشارہ ترکِ عقبیٰ کی طرف،

۳۔ اور ایک سے اشارہ ہے ترکِ خودی، اپنے وجود کو بھی بھول جاؤ،

۴۔ اور آخری چوتھی چیز فرمایا کہ ترکِ طلب اور ترکِ ہوا کہ اپنی نفس کی تمنا، خواہش اور طلب بھی کسی قسم کی باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ اس مبارک رات میں اس کا فیصلہ فرما دیں کہ دشمن اپنے عزائم میں ناکام ہو جائے، اور اسلام اور یہ ہمارا دین اور ترقی کرے، اسلامی مراکز کو اللہ تعالی تا قیامت محفوظ رکھے۔

کچھ دوست کل اور آج نئے بھی آئے ہیں، تو میں نے سوچا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ کیا موضوع چل رہا ہے۔ہم نے شروع رمضان سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا کہ سلسلہ کے اکابر میں سے روز کسی ایک بزرگ کے حالات بیان کئے جائیں۔ جیسے حدیث کی کتاب کے شروع میں اپنی سند بیان کر دیتے ہیں کہ ہم نے فلاں سے یہ کتاب پڑھی، انہوں نے فلاں سے پڑھی، تا کہ یہ اعتماد رہے کہ یہ با قاعدہ ہمارا مضبوط اور پختہ سلسلہ ہے حدیث کے پڑھنے کا۔

اسی طرح میں نے سوچا کہ دوستوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہمارے یہاں معمولات پڑھنے کے لئے بتائے جاتے ہیں، یہ ذکر، یہ تسبیح، یہ مراقبہ، تو یہ کسی کی شخصی ایجاد نہیں، بلکہ مسلسل پورا ایک سلسلہ ہے، تو اس کے لئے روز ایک بزرگ کے حالات بیان ہو رہے تھے، مگر آدھے کے قریب مشائخ کے حالات بیان ہوئے، تو اس میں مسلسل ایسے اکابر کا ذکر آنے لگا کہ جو ساری دنیا کو، سب اہل وعیال، مال ومنال، سب کو خیر باد کہہ کر کے اسی کی یاد میں ہر وقت محو اور مستغرق رہتے تھے۔ کیا ہمارا سلسلہ، کیا دوسرے سلسلے، سب میں یہ چیز قدر مشترک ہے۔

اس لئے پھر میں نے دوسرے سلسلوں کی بھی مثال دی کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے تو سب کچھ چھوڑ دیا اور کوئی ایک دو چلّہ نہیں، بلکہ دس بارہ برس تک کے لئے چھوڑ کر جنگل کی راہ لی، جن پر شافعی مذہب کا، ان کی کتابوں پر مدار ہے۔ جیسے ہمارے یہاں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سیر صغیر، سیر کبیر، جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات، تو اس طرح ان کے یہاں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں بسیط، وجیز، وسیط، تو ان کتابوں پر شافعی مذہب کا مدار ہے۔ اتنا بڑا امام اپنے مذہب کا، تو وہ کیسے یہ ساری چیزیں چھوڑ دیتا؟ اور چھوڑیں تو معلوم ہوا کہ بڑا اہم یہ کوئی فریضہ ہے، جس کی ادائیگی ضروری تھی۔

پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے بھی ڈبل جنگل میں پچیس برس لگائے۔ ہمارے والد صاحب کا حال بتایا تھا کہ انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا، بیوی کو، بچوں کو سسرال بھیج دیا۔

اور چار پیوند والی ٹوپی کے متعلق بتایا تھا کہ یہ چار ترک کی طرف اشارہ ہے، تو اس میں الگ

الگ تعبیرات ہیں۔ توکل ایک تعبیر بتائی تھی کہ جس میں ترکِ دنیا، ترکِ آخرت، ترکِ طلب، ترکِ خودی، اپنے آپ کو بھی چھوڑ دو، توانہوں نے اپنے آپ کو بھی چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ والد صاحب کو، ہمارے بڑے بھائی محمد علی صاحب مرحوم، جو ہندی تھے، پھر مدنی بنے، پھر افریقی ہوئے، جن کا باب عمر پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں نکاح ہوا تھا اور اس بابرکت دعا، توجہات نبویہ کے نتیجہ میں مدنی بیٹا ملا جس کا نام ہی مدنی ہے۔ تو بھائی صاحب نے دیکھا رات تین بجے کہ انہوں نے اپنی آنکھ نکال کر رکھ دی۔ پھر والد صاحب کے کسی خاص دوست نے جب والد صاحب سے پوچھا اور خود مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ توانہوں نے کہا کہ یہ تو بارہا ہوتا تھا کہ سارے جسم کے اعضاء الگ الگ ہوجاتے تھے۔

ہر عضو کی اپنی اپنی تسبیح

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، کسی کام سے تشریف لے گئے، دیکھا دروازہ بند۔ ذرا سا کنڈی کھٹکھٹائی، جواب نہیں ملا، تو کہتے ہیں میں نے ادب کے خلاف کام کیا۔ باہر آگیا اور تھوڑی سی کھڑکی کو ہاتھ لگایا، ذرا سی کھلی، کیا دیکھتا ہوں کہ جسم کے سارے اعضاء الگ الگ پڑے ہوئے ہیں۔

والد صاحب نے فرمایا کہ وہ سب اعضاء الگ ہوجاتے تھے، وہ اپنی اپنی تسبیح کرتے تھے۔ ہر عضو، کہتے ہیں ہر بُنِ مو سے، ہر ایک ایک بال سے الگ الگ تسبیح ہو، وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، تو یہ کیسے؟ اپنے آپ سے کیسے الگ ہوجاتے ہوں گے؟ اپنے آپ کو بھی کیسے چھوڑ دیتے ہوں گے؟ اس پر ہم اٹک گئے۔ کئی روز سے یہی موضوع چل رہا ہے کہ کیوں ایسا کرتے ہوں گے؟ اور کیسے کر سکتے ہوں گے؟

یہ دل جل رہا ہے

مجھے مجنون کا قصہ یاد آیا۔ مجنون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک جگہ لیلیٰ کے مسکن کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تھا، جہاں سے اس کی کھڑکی، اس کا جھروکہ سامنے رہے اور وہاں سے وہ دیکھ سکے، پتھر تھا، جس پر وہ جا کر بیٹھ جاتا تھا، اور ٹکٹکی باندھے ہوئے۔ تو محلے کے لڑکوں کو شرارت سوجھی، انہوں نے شرارت یہ کی کہ یہ روز یہاں آ کر بیٹھتا ہے، ادھر تکتا رہتا ہے، تو بہت سارا کوڑا اکٹھا کیا، کوڑا اکھٹا کر کے پتھر پر آگ جلائی۔ اور انہوں نے کہا کہ اس کے آنے سے پہلے پتھر اتنا گرم کر دیتے ہیں کہ وہ یہاں بیٹھ ہی نہ سکے۔ آگ جلادی، پتھر بالکل آگ کے مانند گرم ہو گیا۔

اور کیا دیکھتے ہیں بچے کہ مجنون اپنے وقت پر آیا اور وہاں آ کر بیٹھ گیا، نہ کوئی حس، نہ حرکت، نہ آہ، نہ بکاء، نہ کوئی چہرے پر تغیر، نہ آنکھ میں کوئی آنسو۔ اسی طرح ٹکٹکی پھر شروع ہو گئی، تو لڑکے دوڑ کر آ گئے کہ انہیں بھی رحم آ گیا، بھاگے ہوئے آئے کہ اٹھو اٹھو، یہ کیا ہو گیا، اس نے کہا کیا ہو گیا؟ کہنے لگے کہ آپ کا بدن جل رہا ہے، تو اس نے کہا نا، نا، بدن نہیں جل رہا ہے۔

آتشِ عشق سوختہ قلب مرا

ادھر اشارہ کیا کہ یہ جل رہا ہے۔

ایسے کوئی آگ ہوک لگتی ہو گی ان کے دلوں میں، ہوک ایسی اٹھتی ہو گی ایسی آگ کہ جس سے ان کے لئے سب کچھ آسان ہو جاتا ہو گا۔ میں نے موازنہ کرنا شروع کیا تھا کہ وہ تو برسہا برس اس کی یاد میں ایسے گزار دیں، اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر، اور ہماری دو منٹ کی نماز ہم ٹکٹکی نہ باندھ سکیں اس ذات کی طرف۔ جیسے ہی نماز کے لئے اللہ اکبر کہا، اور سارا حساب و کتاب، ساری دنیا یاد آ جائے گی۔ اگر کسی کا گزر نہیں ہو گا، کچھ یاد نہیں آئے گا تو وہی ایک ذات یاد نہیں آئے گی۔

مولیٰ کی پہچان

شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سے۔ شیخ عبدالواحد بن زید ایک دفعہ جوش

میں بیان فرما رہے ہیں ۔فرمایا اچھا بھئی ، بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اللہ کے لئے اپنے مال منال، اہل وعیال سب کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے؟ وہ خود بھی چھوڑتے تھے، چھڑواتے بھی تھے۔سمجھتے تھے کہ یہ سب ان چیزوں کے بندے بنے ہوئے ہیں، جب تک ان سے نہیں نجات پائیں گے،تو ادھر مولیٰ کو پہچان نہیں سکیں گے۔تو انہوں نے اعلان کیا کہ کون ہے؟

ایک صاحب خدام میں سے کھڑے ہو گئے،حضرت میں اس کے لئے حاضر ہوں، میں اس کے لئے تیار ہوں۔وہ سامنے آنے لگے۔فرمایا،ادھر نہیں،اُدھر جاؤ، پہلے عمل کر کے آؤ،اللہ! تو وہ کچھ دیر کے بعد حاضر ہوئے کہ حضرت،ہم نے سب کو خیر باد کہہ دیا، جو کچھ تھا سب لٹا دیا راہ للہ میں، کچھ نہیں رہا ہمارے ساتھ۔فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ بیٹھتے ہی سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، یہاں گردن جھکا دو۔

جیسے ہی حضرت نے ہاتھ رکھا اور مراقبہ انہوں نے شروع کیا،تو کیا دیکھتے ہیں کہ عالم عقبیٰ، عالم آخرت منکشف ہے،تمام قسم کے جو نام سنتے تھے آج تک جنتوں کے،وہ ساری سامنے ہیں، وہاں کے تمام خدام،حور وقصور سب کے سب سامنے ہیں۔

حضرت نے جب ان کو مراقبہ میں بٹھایا تو فرمایا کہ تم عمل کر کے آئے،تو ہم بھی اپنا وعدہ پورا کر کے چھوڑیں گے۔اور تم نے ہمارے کہنے پر سب کچھ لٹایا تو کیا کیا ملنے والا ہے ابھی دیکھ لو، دنیا میں، آخرت میں تو ملنے ہی والا ہے، اور وہاں تم نے اہل وعیال کو چھوڑا تو وہاں کے لئے چھوڑا، آپ کے لئے جو تیاریاں ہیں تو اس کو بھی دیکھ لو۔

گردن جھکاتے ہی دیکھتے ہیں وہ سارا ،ملأ اعلیٰ کا عالم منکشف اور ایک جنت، دوسری، تیسری، دکھائی جا رہی ہے کہ یہ بھی آپ کی، یہ آپ کی ہے اور جو خاص جنت تھی اور خاص آپ کی بیوی بننے والی حورعین ،تو وہ جب سامنے آئی ہے،تو ان کا تو حسن وجمال دیکھ کر حال خراب ہونے لگا۔

جنت کے احوال

جیسے ایک روایت بہت عرصہ ہوا سنی تھی، اس کے بعد میں نے بہت تلاش کی، مجھے ملی نہیں کہیں، مل جانی چاہئے کہ جنتی کو جب حق تعالیٰ شانہ حکم فرمائیں گے کہ جا، تو جنت میں بھاگا ہوا جائے گا کہ کہیں میں پیچھے نہ رہ جاؤں۔ اور جیسا ہی جنت کے اندر اس نے قدم رکھا کہ سامنے دیکھا کہ استقبال کے لئے حور کھڑی ہے، تو ایک قدم جنت میں ہے، ایک باہر ہے اور اس کا حسن وجمال دیکھ کر چلنا موقوف، ہر قسم کی طلب ختم۔ بس، اس کے دیدار اور اس کی زیارت اور اس کے دیکھنے میں محو ہو گیا۔

اسی حال میں کھڑا ہوا ایک قدم اندر ہے، ایک باہر ہے، کہتے ہیں پانچ سو برس دیکھتا رہے گا اس کو کہ کہیں میں ذرا سا قدم اٹھانے کی فکر کروں گا، پلک جھپکوں گا، تو کہیں یہ ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔

پانچ سو برس کے بعد دوسرے پانچ سو برس گزریں گے، تو ادھر سے ایک سریلی آواز آئے گی، تو وہ آواز اتنی سریلی ہوگی، اتنی سریلی ہوگی کہ وہ اس کے حسن وجمال کو جو پانچ سو برس سے دیکھ رہا تھا وہ بھول جائے گا اور اس آواز کی طرف ایسے گردن پھیرے گا۔ ابھی ایک قدم جنت کے اندر ہے، ایک باہر ہے اور اس نے گردن اِدھر پھیری جدھر سے آواز آئی، تو دیکھا کہ ایک حور اس پہلی والی سے بھی زیادہ حسین اور جمیل اور وہ گا رہی ہے۔ تو پانچ سو برس اس کی آواز کی طرف، اس طرح چہرہ مڑا ہوا ہے، ایک قدم اندر، ایک باہر، اس طرح وہ دیکھتا رہے گا۔

اسی طرح یہ شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید مراقبہ میں جب دیکھ رہے تھے، ''حور العین''، قرآن میں جس کا ذکر آتا ہے کہ اس کے استقبال کے لئے کھڑی ہے، اسی بے خودی میں کھڑے ہو گئے، اور اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ تو وہ وہاں سے کہتی ہے کہ نہیں نہیں، ابھی نہیں، تم میں اور ہم میں تھوڑا فاصلہ باقی ہے، تھوڑا صبر کرو ابھی۔

اتنے میں وہ منظر ختم ہوگیا تو حضرت شیخ عبدالواحد بن زید ہنسنے لگے اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ بھئی، کیوں کھڑے ہوگئے؟ تو وہ چیخ رہے ہیں، چلاّ رہے ہیں، ایک حال طاری ہے ان کے اوپر۔ فرمایا کہ اس نے کہا نہیں کہ تھوڑا فاصلہ باقی ہے، اور فاصلہ آپ کا جلدی طے ہوجائے گا۔ ابھی صبر کرو، اتنے میں شام نہیں ہوئی کہ نفیر، نفیر، نفیر، ایک اعلان ہوا کہ فلاں جگہ لشکر جارہا ہے۔

حضرت شیخ عبدالواحد نے فرمایا کہ جاؤ، ان کے ساتھ تم ہوجاؤ۔ جاکر وہاں شہید ہوتے ہیں اور وہ اپنی مراد پالیتے ہیں، تو ایسی ان حضرات نے بھی خواب یا بیداری میں کوئی وہاں کی حور، وہاں کے قصور کو دیکھ لیا ہوگا کہ جس کی لذت میں سب کچھ چھوڑنا ان کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔

کاش کہ ہماری حس جاگ اٹھے

اور ہمارے لئے تو جیسا میں نے بتایا کہ کوئی چیز ہم چھوڑ نہیں سکتے، نہ ایک چائے چھوڑ سکتے ہیں، نہ ایک وقت کا کھانا چھوڑ سکتے ہیں، ساری دنیا کے چھوڑنے اور ترک کرنے کا تو سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اللہ کرے کہ جس طرح انہیں کوئی ایک دھکاّ لگا، ہمیں بھی کوئی ایسا دھکاّ لگ جائے کہ ہمارے لئے اس طرح سے ادھر توجہ آسان ہوجائے، کہ ہمارے ذکر میں ہمارا دل لگے، ہماری نمازوں میں ہمارا دل لگے، مراقبہ میں دل لگے۔ جس طرح ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا، یہ طلب سے بھی ہوتا ہے، مانگتے بھی رہنا چاہئے، اور شدت احساس سے بھی ہوتا ہے کہ کاش کہ ہماری یہ حس جاگ جائے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعلان

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نماز کا وقت ہوا تو آپ کو نماز میں آگے کردیا گیا کہ حضرت، نماز پڑھائیں۔

نماز سے فارغ ہوئے تو بڑا عجیب وغریب اعلان کیا۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو، یہ میں نے آخری

نماز تمہیں پڑھائی ہے۔ یا تو اپنے لئے کسی امام کا انتظام کرلو آئندہ نماز سے یا تم خود اکیلے اکیلے اپنی نماز پڑھ لینا۔

اتنے بڑے صحابی، وہ جماعت کے بعد فرماتے ہیں کہ چاہے تو اپنے لئے کوئی امام دوسرا متعین کرلو، دوسرا امام ڈھونڈھ لو یا پھر تم اکیلے اکیلے نماز پڑھ لو۔ تم نے مجھے امام بنایا اور میں نے نماز کے لئے جب اللہ اکبر کہا تو میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ شاید میں ان میں افضل ہوں، اس لئے مجھے انہوں نے امام بنادیا ہے۔

کتنا ذمہ داری کا احساس! اور ہمیں تو کوئی چیز اپیل نہیں کرتی ہے، نہ گناہ اپیل کرتا ہے، کبھی جھنجھوڑتا ہے، ہمیں تو نفس اور شیطان کھینچ کرلے جاتا ہے۔ وہ جدھر لے جاتا ہے، ہم چلتے رہتے ہیں۔

ہر وقت شیطان کی خوشامد

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ، جس طرح میں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عرض کیا تھا کہ ان کے متعلق آتا ہے کہ اتنے عقلمند انسان تھے کہ لکھا ہے کہ اگر عقل کو اللہ نے انسان بنایا ہوتا اور عقل مرد پیدا کی گئی ہوتی، تو وہ جنید بغدادی ہوتے۔

ایسے ہی حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کا ایک جملہ، کیا جملہ حضرت نے فرمایا اللہ اکبر! کہ ہماری بدعملی کا دوسرے پر ہم تو الزام لگاتے ہیں کہ یہ نفس گناہ کرواتا ہے، یہ شیطان گناہ کرواتا ہے، شیطان وسوسہ ڈالتا ہے ہم گناہ کرلیتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں نا، نا، ایسا نہیں، ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے، اب حضرت کا جملہ شروع ہوتا ہے، سنئے، حضرت فرماتے ہیں کہ ہم ہر وقت شیطان کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ!

کہ شیطان کے اوپر الزام ڈال کر تم بری ہونا چاہتے ہو، کتنی بڑی غلطی پر حضرت نے متنبہ فرمایا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لئے سارا گند شیطان کے اوپر ڈال دیا، سارا نفس کے اوپر ڈال

دیا۔

فرمایا کہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ہر وقت شیطان کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔اور خوشامد کے معنیٰ میں طلبہ کو سمجھایا کرتا ہوں کہ اگر کبھی کسی جگہ جانے کا ارادہ ہو، پروگرام ہو، ساتھی تیار نہ ہو، تو اس کو ہر تھوڑی دیر کے بعد کہیں گے چلنا ہے، چلنا ہے، چلنا پڑے گا، چل، چل، تو یہ جو اس کو بار بار کہہ رہے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں ہم تو خود شیطان کو تیار کر رہے ہیں، وہ تو فارغ ہو چکا ہے، آرام سے بیٹھا ہوا ہے، اس کو تو ضرورت ہی نہیں کہ مزید ہماری سرکشی کے لئے زور لگائے۔

پینتیس برس کی نماز کی قضا کی

یہ اللہ والے حضرات! اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سمجھ عطا فرمائی، اور انہوں نے ان چیزوں کو سمجھا اور جانا اور پہچانا۔اور اس کی وجہ سے ان کے لئے سب کچھ لٹانا، سب کو خیر باد کہنا آسان ہو گیا۔

ایک بزرگ جن کے کتابوں میں بہت تفصیلی احوال ملتے ہیں، بڑے مسلّم مشائخ میں سے، بڑا ان کا سلسلہ، ہزاروں ان کے مریدین۔اور جب یہ سلسلہ ہوتا ہے تو ہر وقت سب ساتھی تیار، تمام کام ٹائم ٹیبل کے مطابق چل رہا ہے، تو تیس برس تک ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

جیسے ہمارے مدرسہ کے ناظم صاحب حضرت مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مختار صاحب کے دادا جان، ان کی پینتیس برس تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔تو کتنی پابندی کی ہوگی؟ لیکن انسان ہے، ایک دفعہ کسی وجہ سے کچھ دیر ہوگئی، بشری تقاضے انسان کو رہتے ہیں۔

اسی طرح یہ بزرگ صرف ایک دفعہ نماز میں ایسے وقت میں پہنچے کہ ایک رکعت ہو چکی تھی۔ برسہا برس کے بعد ایسا ہوا۔تو وہ نماز تو انہوں نے اپنی پڑھ لی، پوری کر لی، ایک رکعت امام کے سلام کے بعد پڑھ لی اور اس کے بعد چلے گئے، اب سب خدام اور ساتھی سب انتظار میں، آتے ہی نہیں، کئی دن گزر گئے، اس کے بعد برآمد ہوئے، اس کے بعد آئے۔پوچھا، کیا بات تھی؟ کچھ

طبیعت خراب، کچھ طبیعت ناساز تھی؟ اور اتنے دن تک حضرت کہاں رہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس دن مجھے وہ جو قصہ ہوا تھا آپ کو یاد ہے کہ میری ایک رکعت چلی گئی تھی؟ کہا ہاں۔فرمایا میں جب چھوٹی ہوئی اس ایک رکعت کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوا ہوں، تو مجھے دل میں ایک قسم کی شرمندگی محسوس ہوئی کہ میں ہمیشہ تکبیر اولیٰ کے وقت موجود رہتا تھا اور پہلی صف میں ہوتا تھا اور آج میں مسبوق بن گیا، میری رکعت چلی گئی، تو مجھے ایک قسم سے لوگوں سے جھجھک محسوس ہوئی، شرمندگی، تو میں نے سلام پھیر کر سوچا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون، میں یہ اس مخلوق کو خوش کرنے کے لئے پینتیس برس تک مرتا رہا اور پینتیس برس تک پابندی کرتا رہا۔تب میں نے جا کر فوراً اپنی پینتیس برس کی نمازیں دہرانی شروع کی کہ میں ان سب کی قضا کروں گا۔

حضرت مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مالک ابن دینار، بہت بڑے مشائخ میں سے اور بہت بڑے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، اور بہت اونچے اپنے زمانہ کے علماء میں سے بھی تھے۔تو وہ اپنے متعلق فرماتے ہیں بالکل صاف صاف، ہماری طرح سے منافقت نہیں ہوتی، یہ تو جو کچھ میں بول رہا ہوں، اندر کچھ، اور زبان پر کچھ ہے۔

لیکن وہ فرماتے ہیں اپنے متعلق کہ جب یہ مسجد معاویہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عظیم الشان مسجد دمشق میں تعمیر فرمائی تھی، تو اس مسجد میں میں دیکھ رہا تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں مصلی، ہزاروں طلبہ اس مسجد میں پڑھنے والے، حلقے لگے ہوتے ہیں تو اس مسجد کا نظام اور انتظام یہ ایک چھوٹی سی حکومت کی طرح ہوتا تھا۔

فرماتے ہیں کہ میرے دل میں ایک دفعہ تمنا ہوئی کہ کاش کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مسجد کا متولی بنا دے۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کو مانگنا شروع کیا، پھر وہاں اس مسجد میں میں نے اعتکاف کیا۔اعتکاف میں، ذکر و تلاوت میں مشغول رہتا، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا اور اللہ سے

مانگتا کہ یا اللہ، اب کتنا مقدس کام، کتنی اچھی سوچ کہ الٰہی! مجھے تو اس مسجد کی تولیت عطا فرما دے۔ پورے ایک سال تک لگے رہے۔

کہتے ہیں ایک سال کے بعد غیب سے ندا آئی کہ آپ نے بہت اچھا کام کیا۔ آپ نے ایک سال تک اعتکاف کیا، ایک سال تک نمازیں پڑھیں، ایک سال تک ذکر واذکار کئے، اللہ کو یاد کیا اور مسجد سے نکلے نہیں، ایک سال کا پورا اعتکاف کیا آپ نے، بڑا اچھا کام کیا، مگر کیا کس کے لئے آپ نے؟ مسجد کی تولیت کے لئے کیا۔ ہمارے لئے تو آپ نے نہیں کیا۔

اب پھر اعتکاف میں رو رہے ہیں، گڑگڑا رہے ہیں اور اس گناہ پر رو رہے ہیں۔ یہ ایک سال تک جو کچھ کیا ہے جس طرح ان بزرگ نے پینتیس برس کی نمازیں قضا کی اس کو گناہ سمجھ کر کہ یہ گناہ کئے میں نے، تو اس کی معافی کے لئے رو رہے ہیں حق تعالیٰ شانہ کے سامنے۔ عرض کرتے ہیں، روتے رہے، پورا ایک سال جب گزرا ہے، ٹھیک ایک سال گزرنے پر جو وہاں کی منتظمہ ہوگی، حکومت کا شعبہ کوئی رہا ہوگا، ان کو ضرورت پیش آئی کہ ہم متولی، اب مسجد کا نظام کچھ خراب ہے، کسی کو ہم مسجد کا متولی بنائیں۔ تو سب نے سوچ کر ان کے بارے میں فیصلہ کیا حضرت مالک ابن دینار کے متعلق کہ یہ بڑے بزرگ ہیں، ہمیشہ معتکف رہتے ہیں، ان سے درخواست کرتے ہیں اور یہ منصب ان کو دیا جائے۔

حکومتی طبقہ اور تمام مصلی اور صلحاء وہاں آپ کی خدمت میں پہنچے۔ پوچھا، کیا بات؟ میں تو روز یہاں مسجد میں ہی ہوتا ہوں، آج سب اکٹھے ہو کر آئے؟ تو سب نے کہا حضرت، ہمیں ضرورت ہے اس مسجد کی تولیت کے لئے کسی نیک آدمی کی اور آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟ تو چلّا نے لگے، رونے لگے، الٰہی! میں تجھ سے اس کو مانگتا رہا ایک سال، اس وقت تو تو نے یہ نہیں دی۔ اور جب اب میں نے ایک سال کا اعتکاف تیرے لئے کیا تو اب یہ تو اپنے آپ کو دینے کے بجائے یہ مسجد مجھے دیتا ہے۔ اب تو مجھے یہ تولیت نہیں، تو ہی تو چاہئے۔ اب اس تولیت اور شہرت سے بھاگ رہے ہیں اور دمشق سے بھاگ کر بصرہ آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری بھی کایا پلٹ دے، ہمارے دل کے قبلہ کو درست کردے، ہر وقت اپنے مالکِ حقیقی کو دل میں بسانے کی اللہ ہمیں توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے روزوں کو قبول فرمائے، تراویح اور تلاوت کو قبول فرمائے۔ جو لغزشیں، کوتاہیاں ہوئیں، کمی رہ گئی، اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمائے۔

موضوع پورے مہینہ یہ رہا کہ ہمارے اکابر نے عملی طریقت کے سلسلہ کو اپنایا اور اس میں چشتیہ سلسلہ کے اکابرین کے ساتھ ساتھ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بطور خاص ذکر ہوتا رہا کہ ان دونوں حضرات نے مختلف انداز اختیار کئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے سب سے بڑے قرآن وحدیث اور فقہ کے سب سے بڑے امام ہیں۔ سلاطین اور ملوک، حکام اور وزراء ہر وقت ان سے مصافحہ کے لئے ترستے ہیں۔ دنیوی وجاہت بھی عروج پر ہے، مگر ان سب کو ایک لات مار کر نکل کر جنگل کی راہ لیتے ہیں۔

اس کے برخلاف پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی ابتداء میں، علوم شرعیہ سے فراغت کے ساتھ ہی یہ کام شروع کردیتے ہیں اور پچیس برس تک صحرانوردی اور جنگل کی راہ لیتے ہیں۔ اور جس زمانہ میں امام غزالی بغداد سے جارہے ہوتے ہیں، پیران پیر بغداد میں آرہے ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت

تصوف کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا، کہا گیا، خلوت کے خلاف بھی، استغراق کے خلاف بھی۔ مگر جیسا میں نے بارہا عرض کیا کہ یہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت ہے۔ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی مثال دی تھی کہ برسہا برس مراقبہ میں گزارتے ہیں۔ حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَاب، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے فرستادہ رجالِ غیب جب پہنچتے ہیں، تو اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں، سب کچھ بند، خلوت میں ہیں، اپنی عادت کے مطابق تو دیوار پھٹتی ہے اور اس میں سے داخل ہوتے ہیں، ففزع، وہ گھبرا

جاتے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ قرآن نے ذکر کیا **کُلَّمَا دَخَلَ علیْھازَکَرِیَّا الْمِحْرَاب**، تو یہ سب خلوتیں ہیں۔ مگر کبھی خلوت سے کام نہیں چلتا ہے، جیسے حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام خلوت ہی میں تھے، ہر طرف پہرے بٹھا رکھے ہیں، کوئی آ نہیں سکتا، جا نہیں سکتا، مگر دیوار پھٹی اور اس میں سے آ گئے۔ اس لئے پھر یہ صحرا نوردی اور جنگل کی راہ لی گئی۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو سب سے دور کوہِ طور پر بھیجا گیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے جنگل بیابان میں پہاڑ، غارِ حراء کو پسند فرمایا، جبل نور کو یہ شرف عطا فرمایا۔

آج جب معتکف کی جگہ بنائی جا رہی تھی نماز کے لئے بستر ہٹائے جا رہے تھے، تو مجھے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ساتھ سٹینگر کا رمضان یاد آیا کہ وہاں مجمع کی کثرت کی وجہ سے یہ سوچا گیا کہ ایسے بستر ہوں کہ نماز کے وقت اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے، جس پر سجدہ کیا جا سکے، یہ ہمارے عام گدوں سے تھوڑے سخت ہوں، پتلے ہوں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف

یہ سب ہماری کمزوری اور ضعیفی اور ناتوانی کی بنا پر ہے اور ناز پروردہ ہم لوگ بنے ہوئے ہیں، اس کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خلوت، جو طویل اعتکاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ کہاں ہے؟ جنگل میں، کوہِ نور پر، غارِ حراء میں فرمایا۔

اور غارِ حراء کے اعتکاف کے ساتھ ہمارے اس اعتکاف کا ذرا آپ موازنہ فرمائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ مکرمہ کی سب سے مالدار ترین حویلی میں تھے، سب سے مالدار گھر میں تھے، سب سے بڑی تجارت تھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا کی اور تمام نعمتیں وہاں موجود تھیں۔ ان سب کو پھینک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں؟ جنگل میں، پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اور اس پہاڑ کو اور اس غار کو سوچئے۔ تین چار دفعہ وہاں حاضری کی توفیق ہوئی۔ تو جو

حضرات وہاں جا سکے، انہیں اندازہ ہوگا کہ وہ پہاڑ، اس کی چڑھائی ڈیڑھ ہزار برس کے بعد آمد و رفت کی وجہ سے اتنی آسان ہو جانے کے بعد اب یہ حال ہے۔ تو اس زمانہ میں کیا حال ہوگا؟

ابھی بھی وہاں جب گرمیوں میں حاضری ہوتی ہے، تو نماز پڑھنا صحن میں مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان سرخ پتھروں پر جب گرمی پڑتی ہے، تو سورج ڈوبنے کے بعد آئندہ کل کی صبح تک وہ اس قابل نہیں ہو پاتے کہ آپ اس پر اپنا ماتھا ٹیک سکیں۔ تو کیا سابقہ قصہ والا مجنون کا گرم پتھر، اس سے بھی زیادہ گرم تپتے ہوئے یہ پتھر ہوتے ہیں، جس پر ہمارے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ماتھا نہیں ٹیکتے تھے، بلکہ اٹھنا، بیٹھنا، لیٹنا، سب کچھ ان گرم پتھروں پر ہے۔ جو مدت بیان کی جاتی ہے برسوں میں بیان کی جاتی ہے کہ کئی برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں اعتکاف کا یہ معمول تھا۔

اس غارِ حراء کے اس پتھر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح آرام فرماتے ہوں گے؟ کس طرح لیٹتے ہوں گے؟ اور پھر ہمارے ان گدّوں اور ہمارے اس اعتکاف کے ساتھ اس کا موازنہ کیجئے۔

خیر! تو یہ اعتکاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، جو ہم ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس کی گرد کو پہنچنا تو درکنار، اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جس ماحول میں ہم پلے ہیں، بڑھے ہیں، جو ہمارا مزاج بن چکا ہے ہماری رگ وپے میں ہے، ہم ان مجاہدات سے کتنے دور ہو چکے ہیں کہ مشکل ہے کہ اس کے اوپر، ان پتھروں پر ہم ایک سجدہ کر پائیں۔ اور جن پر بار بار ہر سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے رہے۔

آگ لگ جاتی ہے۔۔۔۔

یہ کیا چیز تھی کہ جس نے یہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے لے کر ان کے امتیوں تک کے لئے ترکِ غیر اللہ کو آسان بنا دیا۔ اس کا میں نے کل ذکر کیا تھا کہ دل میں ایک ہوک اٹھتی تھی اور

اسی ایک ذات کی طرف ان کی ٹکٹکی بندھی ہوئی ہوتی تھی، جیسے مجنوں کو گرم پتھر پر جب لڑکوں نے بٹھا دیا اور اس کا بدن جل رہا تھا، اسے کوئی پتہ نہیں، نہ تکلیف کا، نہ جلنے کا، تو اسی طرح ان حضرات کو عشق الٰہی میں اس کا پتہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم کس گرم پتھر پر پڑے ہوئے ہیں؟

ایک دفعہ یہ آگ لگ جاتی ہے اور یہ سارے احساسات ختم کر دیتی ہے۔ اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کہ خلوت ہے، تنہائی ہے، جنگل ہے، پہاڑ ہے، غارِ حراء ہے، بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار بڑھا کہ وہ پیغام لے کر آیا تھا معشوق کی طرف سے، محبوب کی طرف سے، اتنا عرصہ ہو گیا، ابھی پھر دوبارہ قاصد کیوں نہیں آتا؟ انتظار میں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کیسے انتظار میں؟

کہ ہماری کتب احادیث میں، صحاح میں حدیث آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو جاتے تھے، مضطرب اور پریشان ہیں اور یہ جدائی اور یہ فراق اور یہ جو فترت، کچھ عرصہ کے لئے سلسلہ موقوف کیا گیا مالک کی طرف سے پیغام بھیجنے کا، یہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شواہق الجبل، پہاڑ کی چوٹی کے اوپر تشریف لے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ارادہ فرماتے کہ اب میں یہاں سے اپنے آپ کو گرا کر جان قربان کر دوں، **لِکَیْ یَتَرَدّٰی عَنِ الْجَبَلِ**.

فوراً جبرئیل امین آجاتے ہیں، **تَبَدّٰی لَه جِبْرِیْل**، جبرئیل منانے کو آتے ہیں، مناتے ہیں کہ آپ تو تمام انبیاء اور رسل کے سردار ہیں، ایسا نہ کریں۔ ایک دفعہ نہیں، بار بار ایسا ہوا۔

سچی طلب

ایک بزرگ ہیں شیخ محمد بن یوسف البنا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طلب اور تلاش اور معرفت کی طلب میں خاک چھان رہے ہیں جنگل بیابان کی، پہاڑ کے پاس سے گزر رہے ہیں، تو اللہ سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں الٰہی! یا تو تو اپنی معرفت مجھے نصیب فرما یا یہ پہاڑ میرے اوپر گرا

دے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو گرانے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، یہ اللہ سے مانگتے ہیں کہ اس پہاڑ ہی کو میرے اوپر گرا دے۔ جب اسی سفر میں وہ مکہ معظّمہ پہنچتے ہیں، تو طواف کرتے ہوئے پھروہی فریاد۔ یا اللہ! یا تو میری جان لے لے یا تیری معرفت دے دے۔ تو آجا میں تجھ سے تجھے چاہتا ہوں۔ تو غیب سے آواز آتی ہے کہ اچھا، ہمیں چاہتے ہو اور سچ مچ چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تین مہینے تک روزے رکھو، وَ وَاعَدْنَا مُوْسٰی ثَلاثِیْن، سے بھی تین گنا زیادہ، تین مہینے تک روزے رکھو اور پھر یہاں جب تمہارے روزے پورے ہو جائیں، تو ہمارا وعدہ ہے کہ چاہِ زمزم کے پاس، روزوں کے پورے کرنے کے بعد پہنچ جانا۔

ایک زمانہ میں چاہِ زمزم جس طرح کہ ہندوستان پاکستان میں کنوئیں ہوتے ہیں، اسی طرح کا کنواں ابھی قریب کے سالوں تک تھا۔ وہاں جب ہم حاضر ہوتے تھے تو چونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زمزم کے کنویں سے ڈول میں پانی نکالا اور اس میں سے پیا اور بقیہ کو اس میں ڈالا، تو اس میں کئی قسم کی برکات ہیں، اس پر عمل کی کوشش کرتے۔ تو کبھی تو وہ آدمی جو وہاں متعین ہوتا تھا اجازت دے دیتا تھا اور ایک ہی آدمی وہاں متعین ہوتا تھا۔ کبھی دیکھا کہ وہ منع کر رہا ہے، تو انتظار کرتے کہ ابھی تھوڑی دیر میں وہ نماز کے لئے جائے گا، جیسے ہی وہ کھانے کے لئے، استنجاء کے لئے گیا، تو اس وقت جا کر ڈول ڈال کر کے پانی کھینچ کر پی لیتے تھے۔ تو وہاں کا، زمزم کے کنویں کا وعدہ ہوا شیخ البنّا سے۔

چنانچہ انہوں نے جب اپنے روزے پورے کئے تو چاہِ زمزم پر حاضر ہوئے، جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا گیا، بِجَانِبِ الطُّوْرِ الأَیْمَن۔ اب یہ انتظار میں ہیں حق تعالیٰ شانہ کی معرفت کا سوال کیا تھا۔ اس کا جواب ملنے والا ہے۔

جب وہاں پہنچے تو زمزم کے کنوئیں سے آواز آتی ہے، آپ کیا چاہتے ہو؟ دو چیزوں میں سے ایک اپنے لئے پسند کر لو۔ یا تو مالدار مولانا بننا پسند ہے، تو یہ ہم دینے کے لئے تیار ہیں، **العلم مع**

الغنیٰ۔ یہ آپ کو چاہئے یا اگر یہ نہیں چاہئے، تو دوسری چیز ہم آپ کو پیش کرتے ہیں **المعرفة مع الفقر**، کنگال صوفی بننا چاہتے ہو؟

یہی معرفت جس کے یہ طالب تھے، تو انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی! میں تو برسہا برس سے اسی کو رو رہا ہوں، مجھے تو تیری معرفت چاہئے۔ مجھے تو نہ علم چاہئے، نہ غنیٰ چاہئے، نہ مالداری۔ میں تو صرف تجھ سے تجھی کو مانگتا ہوں، تیری معرفت مل جائے۔

مجلس صمت

یہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرات بڑے عقلمند انسان ہوا کرتے تھے، جیسے معروف کرخی، ہمارے معروف بزرگوں میں سے ہیں۔ وہ ہر وقت چپ رہتے تھے، بولتے نہیں تھے، بالکل چپ۔ اسی لئے خدام کو ایک طلب اور خواہش رہتی کہ ہم کچھ نصیحت سن لیں۔ وہ کہتے بھی کہ ہمیں کوئی نصیحت فرما دیجئے، مگر وہ بالکل چپ، خاموش رہتے۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس کو ہماری چپ سے فائدہ نہ ہو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں جب وصیۃ العرفان میں ان کی یہ مجلس پڑھی گئی، تو حضرت نے بارہا، پچاسوں دفعہ اس کو دہرایا کہ ہمیں تو ان کا، مولانا وصی اللہ صاحب کا یہ جملہ بڑا پسند آیا کہ ''جس کو ہماری چپ سے فائدہ نہ ہو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے''۔

حضرت معروف کرخی سے سوال کیا گیا کہ حضرت، کیا بات ہے؟ آپ چپ رہتے ہیں، بولتے ہی نہیں۔ کیا وجہ؟ کیا موت کا ڈر؟ کہ ہر وقت آپ پر موت کا غم، موت کا ڈر اور اس کا خوف سوار ہے، اس کی وجہ سے آپ چپ ہیں؟ یا مرنے کے بعد قبر میں جانا ہے، وہاں کی ہولناکی اور وہاں کی منکر نکیر، اور اس کے سوالات کا ڈر ہے، اس کی وجہ سے آپ کی زبان بند ہے؟ یا پھر حشر ونشر اور وہاں کی ہولناکیاں محشر کی، وہ ڈراتی ہیں، اس کے وجہ سے آپ چپ ہیں؟ یا پھر کدھر کا فیصلہ ہوگا، اہل یمین میں سے یا شمال والوں میں سے ہوں گے، جنتیوں میں سے،

جہنمیوں میں سے ہوں گے،اس کا ڈر آپ کو ستا تا ہے،اس کی وجہ سے آپ چپ ہیں؟

حضرت کرخی سنتے رہے۔اخیر میں مسکراتے ہوئے فرمایا، کتنے عقل مند، کہنے لگے، یہ تو جتنے مقاصد بنائے جا سکتے ہیں موت، قبر، حشر ونشر، جنت اور جہنم، تو ان کو کیوں بطور مقصد اپنے لئے چنا جائے؟ ان کا جو خالق اور مالک اور بادشاہ ہے اس کو کیوں نہ لیا جائے؟ جب تمہاری بادشاہ سے اور مالک اور خالق سے جان پہچان ہوگئی، تو یہ سب چیزیں تمہارے قدموں میں ہیں۔

معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آپ کا وصال ہوا معروف کرخی کا، تو علی ابن موفق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو خواب میں دیکھا کہ عرش الٰہی ہے اور خدا کے عرش کے بالکل سامنے معروف کرخی بیٹھے ہوئے ہیں اور ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے، پلک جھپکتے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیدار میں مصروف ہیں۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں علی ابن موفق سے کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کر اور کوئی چیز اپنے لئے پسند نہیں کی۔اس لئے میں نے میرے دیدار، میری رؤیت کو ان کے واسطے ہمیشہ کے لئے مباح کر دیا۔

نہ دنیا دوست می دارم، نہ عقبیٰ را خریدارم

مرا چیزے نمی باید بجز دیدار یا اللہ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ یہی مانگتے ہیں۔کہتے ہیں مجھے نہ جنت چاہئے، نہ وہاں کی نعمتیں۔الٰہی، میں تو صرف تجھ سے تجھ ہی کو مانگتا ہوں۔

تین قسم کے عابد

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ ہمارے فارسی کے اساتذہ میں سے تھے۔اور فارسی کی طلبہ کی جماعت گویا بچوں کی جماعت، مگر اس زمانہ کے اساتذہ سارے کے سارے اہلِ معرفت۔

ایک دفعہ بوستاں پڑھاتے ہوئے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی جو عبادت کی جاتی ہے، تو اس کی عبادت کرنے والے تین قسم کے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ہوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وجہ سے بیماریوں سے محفوظ رہیں، مصائب سے محفوظ رہیں، حوادث سے محفوظ رہیں، اور اللہ تعالیٰ دنیوی دولت، عافیت کی زندگی دے۔ تو فرمایا کہ یہ تو کتے ہیں۔ صرف انہوں نے دنیا کو مقصد بنایا اللہ کی عبادت کے لئے، سب سے گھٹیا چیز کو مقصد بنایا۔

اور فرمایا کہ دوسرے درجہ کے وہ ہیں جو اللہ کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تا کہ جنت کمائیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ تاجر ہیں، اللہ کو کچھ دینا چاہتے ہیں اور کچھ لینا چاہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اللہ کے حقیقی بندے وہ ہیں تیسری قسم کہ جو صرف اللہ ہی کے لئے اللہ کی عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ مل جائے۔ اب یہ اللہ کیسے ملتا ہے؟

ہم اپنے مالک سے کتنے دور! ہر چیز ہر وقت ہماری سوچ میں، دل و دماغ میں گھومتی رہتی ہے، کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا۔ کبھی اپنی ضروریات، اپنے تقاضے، اپنی راحت، بچوں کی، اطراف کی، ہر چیز کا فکر، تصور دل میں آئے گا۔ اگر ہم نے اپنے دل میں نہیں سمایا، کسی کو داخل نہیں کیا، تو وہ مالک، مالکِ حقیقی، اس سے ہم کتنے دور ہو گئے۔

نفس کو دھکّا دے دو

اس لئے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا حق تعالیٰ شانہ سے کہ الٰہی! ہم تجھ سے بہت دور ہو گئے۔ یہ سب چیزیں اپنے چاروں طرف اکٹھی کر کے ہم نے خود اپنے آپ کو ایک قید خانہ میں اپنے اختیار سے مقید کر دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، تمام بشری تقاضے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف دیکھئے، ہمارا اعتکاف دیکھئے۔ وہ پتھر

پر ہے اور پچاس ڈگری اور اس سے زیادہ گرمی میں جو تپ کر گرم ہوتا ہے اس پتھر پر، پہاڑ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف ہے۔ اسی پر نمازیں، اسی پر سونا بیٹھنا ہے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ الٰہی! ہم تجھ سے بہت دور ہو گئے، ہم تیرے پاس آنا چاہتے ہیں۔ **کیف الطریق الیٰ ذاتک**، تیری ذات تک پہنچنے کا رستہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جواب ادھر سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بہت آسان۔ یہ جو تم نے اپنے آپ کو نفس کا قیدی بنا رکھا ہے، اس کو دھکا دے دو اور چھوڑ کر آ جاؤ۔

حضرت مولانا شمس الدین صاحب ہمارے استاذ، انہیں علم سے عشق تھا، تو اس علم کو چھوڑ کر کوئی عبادت میں مشغول ہو، یہ بھی انہیں پسند نہیں تھا۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ معرفت کا حصول تو بہت آسان ہے۔ ایک قدم اپنے نفس پر رکھو، دوسرا قدم تمہارا جنت میں ہے۔ کتنی آسان تعبیر؟ مگر یہ نفس پر ہم قدم رکھیں کیسے؟

زِ شر نفس امارہ نگاہم دار یا اللہ
ہوائے حرصِ نفسانی زِمن بردار یا اللہ

جس طرح حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ سب سے بڑی مصیبت ہی یہ ہوا ہے، ہوائے حرص نفسانی اور یہ نفس۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کو آسان فرمائے۔

نفس پر قابو

ہم تو جس طرح بہت کوئی پرانا، ساری زندگی جرائم کر کے ایک مجرم ہو، عادی مجرم ہو جاتا ہے، اس طرح ہماری عادتیں چھوٹتی ہی نہیں۔ اور ان حضرات نے ہر وقت اپنا مقصد زندگی بنایا کہ کیسے ہم ان تمام تعلقات توڑ کر مالک تک پہنچ جائیں۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ میرے پاس فلاں جگہ سے

یہ یہ چیزیں آئیں اور وہ میرا زمانہ زائد چیزوں سے پرہیز کا تھا، یعنی اس وقت حضرت نے چند سال کے لئے اپنے اوپر پابندی لگا رکھی تھی کہ چند لقمے جس سے زندگی باقی رہ سکے اور چند گھونٹ جو پینے کے لئے اس جسم کو پانی دینے کے لئے ضروری ہوں، اس کو چھوڑ کر تمام زوائد کو میں نے ترک کر رکھا تھا۔

اب کتنے برسہا برس تک حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے تمام زوائد کو چھوڑ رکھا تھا۔ ہم تو ان تمام زوائد کے طلب گار اور مشتاق بنے ہوئے ہیں، تو یہ جس طرح حضرت نے تمام زوائد کو چھوڑا، اپنے نفس پر کتنا قابو ان کو رہا ہوگا۔ تب جا کر ان تمام زوائد کو چھوڑا ہوگا۔

گزشتہ کل حضرت مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا حال ذکر کیا، جنہوں نے تولیت مانگی تھی دمشق کی مسجد معاویہ کی۔ جب وہاں شہرت ہوگئی، تو وہاں سے بھاگے۔ بھاگ کر بصرہ آئے۔ بصرہ اب تک بھی مرکز ہے کھجوروں کا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس تک بصرہ کی کھجور نہیں چکھی کہ یہاں کی کھجور دنیا بھر میں اس وقت بھی جاتی تھی۔ تو کہتے ہیں تیس برس کے بعد ایک دفعہ مجھے خیال ہوا کہ لوگ دنیا بھر سے آتے ہیں، لے جاتے ہیں، بڑی شہرت ہے، میں ایک کھجور تو چکھ لوں۔

میں نے حق تعالیٰ شانہ سے استخارہ کیا اور پوچھا کہ الٰہی! میں ایک کھجور کھا سکتا ہوں؟ اتنے برس سے تو میں نے تمام چیزیں چھوڑ رکھی ہے، تو اجازت ملی کہ ہاں، تم کھا سکتے ہو۔ ایسا کرو کہ ایک ہفتہ کے لئے روزہ رکھ لو۔ ایک ہفتہ تک صومِ وصال رکھا، مسلسل روزہ بغیر کھائے پیئے، جیسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی ایام کا روزہ ہوتا تھا، **اِنَّمَا يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيُسْقِيْن**، بیچ میں افطار نہیں فرماتے۔ اور ایک ہفتہ کے بعد پھر تم کھا سکتے ہو۔

اب ایک ہفتہ مسلسل صوم وصال کے بعد کھجور لے کر چلے اور سوچا کہ اب ایک ہفتہ کے بعد کا جو افطار ہے مسجد میں جا کر کرتے ہیں۔ کھجوریں ہاتھ میں ہیں اور عصر کے وقت مسجد میں کھجور لے کر جا رہے ہیں۔ راستہ میں بچوں نے ان کو دیکھا جاتے ہوئے کہ یہ شخص کھجور لے کر جا رہا ہے

عصر کے وقت، دن کے وقت میں، تو انہوں نے شور مچایا، دیکھا کوئی اجنبی آدمی ہے، مسجد میں جا رہا ہے کھجور ہاتھ میں ہے، تو شور کیا محلّہ کے بچوں نے کہ دیکھو، دیکھو، کوئی یہودی آ گیا، مسجد میں جا رہا ہے۔ کچھ لوگ آ گئے۔

آ کر پوچھا۔ انہوں نے اپنا حال بتایا، تب انہوں نے کہا معاف کیجئے ہمارے بچوں کو، یہ آپ کے پاس کھجور دیکھ کر یہودی ہونے کا شبہ اس لئے ہوا کہ ہمارا یہ پورا علاقہ ہمیشہ پورا سال روزہ سے رہتا ہے اور دن کے وقت میں کوئی کھاتا نہیں اور نہ کھانے کی چیز کا کوئی تصور کر سکتا ہے۔ تو اس لئے آپ کے پاس کھجور کی تھیلی دیکھ کر کے انہیں شبہ ہوا کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ کیا زمانہ ہوگا! کیسے مقدس بندے ہوں گے کہ علاقہ کے سب لوگ سال بھر روزہ سے رہتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں اپنے متعلق مالک ابن دینار کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور کہنے لگے کہ الٰہی! میں نے صرف کھجور کی خواہش کی کہ ایک کھجور، ایک کھجور اور اس کے کھانے سے پہلے میں تو یہودی بن گیا۔ اگر میں نے وہ کھجور ان کے سامنے کھا لی ہوتی، تو پھر میں تو کافروں سے بھی بدتر شمار ہوتا۔

دنیا کو طلاق

انہوں نے اس طرح دنیا کو ترک کیا مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جب وہاں بصرہ میں بھی شہرت ہوگئی، تو وہاں کے سب سے بڑے بصرہ کے ایک رئیس تھے، ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ وہاں کے امیر لوگوں میں سے تھے، ان کے ورثاء میں صرف ان کی ایک بیٹی تھی۔

وہاں والوں نے سوچا کہ یہ بزرگ مجرد ہیں مالک ابن دینار، تو رئیس بصرہ کی بیٹی کا ان سے نکاح کروا دیتے ہیں۔ اب حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیغام پہنچایا کہ ہم سب کی رائے ہے کہ آپ نکاح کر لیں۔ تو وہ ہنسنے لگے۔ کہنے لگے کہ تم تو بہت بھولے ہو۔ میں نے تو بارہا کہا کہ میں تو دنیا کو طلاق دے چکا ہوں اور دنیا میں یہ عورت اور بیوی

بھی شامل ہے، اس کو تو کب کی طلاق ہو چکی ہے۔ کیوں تم اس بیچاری کو ستا رہے ہو؟

انہوں نے یہ جوٹو پی، چار پیوند والی ٹوپی کہ کھانا بھی چھوڑ دیں، سونا بھی چھوڑ دیں، ترکِ خوردن، ترکِ خفتن، ترکِ گفتن، بولنا بھی چھوڑ دیں، اور اختلاط بھی چھوڑ دیں، میل جول، ملنا جلنا۔ اسی لئے یہ صحرا کی راہ لیتے ہیں اور تب جا کر اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب ان کو عطا فرمایا اور یہ کیسے قریب ہوئے؟ کہ خود ہم تو اپنا قرب سمجھ لیتے ہیں کہ نماز پڑھ لی۔ الحمد للہ، ہم روزے رکھ لیتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ ہمیں قرب نصیب ہو گیا۔ اور یہ حضرات اکابر اپنی نمازوں پر روتے ہیں۔

خود مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ جب میں ہر نماز میں اللہ اکبر کہہ کر **الحمد للّٰہ رب العالمین الرحمن الرحیم ، مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین** پڑھتے ہوئے جب یہاں میں پہنچتا ہوں، تو بہت مشکل سے میں **ایاک نستعین** میں کہہ پاتا ہوں۔ یہاں آ کر میں اٹک جاتا ہوں **ایاک نعبد** کے بعد آگے میں **و ایاک نستعین** پڑھوں، اس کے لئے میں اپنے آپ کو تیار کرتا ہوں اور زور لگاتا ہوں اپنی طبیعت پر۔ کتنے اصرار کے بعد میں ان کلمات کو ادا کر پاتا ہوں۔ کیوں؟

اور یہاں تک فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی سورت۔ سورۂ فاتحہ متعین نہ ہوتی، اور کسی دوسری سورت کے انتخاب کا اختیار ہوتا تو میں کبھی یہ سورت سورۂ فاتحہ نماز میں نہ پڑھتا۔ دوسری کوئی سورت میں منتخب کر لیتا۔ لیکن مجبوری ہے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہی سورت تم ہر نماز میں پڑھا کرو الحمد شریف۔ اور اس میں یہ آیت پڑھنی ضروری ہے اور میں یہ آیت پڑھ نہیں سکتا۔ کیوں نہیں پڑھ سکتا؟

فرماتے ہیں کہ جب میں یہاں پہنچتا ہوں **ایاک نعبد** اور جب آگے قرأت کرنے جاتا ہوں **و ایاک نستعین** کہ اللہ میں تجھ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں، تو جب میں اس کو پڑھتا ہوں تو اپنے دل سے کہتا ہوں کہ تو جھوٹ بول رہا ہے کیوں کہ ابھی تو نے فلاں سے پانی مانگا تھا، ابھی تو تو نے فلاں سے یہ چیز مانگی تھی، کھانا لاؤ، پانی لاؤ، ہزاروں سوال میں دن بھر کرتا ہوں، اور

اس آیت میں تو طلب کی ممانعت ہے کہ تیرے سوا کسی سے نہیں مانگیں گے۔کتنا اصرار ہے **ایاک نستعین**، اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ایسی مناجات نصیب فرمائے، ایسا قرب نصیب فرمائے۔

ان کا ہمارا کوئی جوڑ نہیں ہے کہ سہارنپور میں حضرت کے یہاں نماز میرے ذمہ تھی۔تو ایک دفعہ حضرت نے معتکف میں مجھے بلایا جب تمام ضروریات سے فراغت ہوگئی اور ہم لوگ حضرت کو لٹا کر نکل رہے تھے، حضرت نے فرمایا کہ یوسف پیارے، ادھر آ۔فرمایا، تم قاریوں کی بڑی مصیبت کہ ایک لفظ تم پڑھ لو، تو ہٹ کر دوبارہ پھر اسی کو پڑھنا شروع کرو، جیسے کہ قرأت میں کہیں بیچ میں کوئی کلمہ چھوڑ دیا **الا ان یشاء اللّٰہ**، تو **الا ان یشاء اللّٰہ** کے بعد **رب العالمین** کے بجائے **الا ان یشاء اللّٰہ** سے شروع کرتے ہیں، **الا** سے شروع کرتے ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟

اب میں یہ سن کر چپ رہا۔تب حضرت نے مثال دی، کیسی زبردست مثال، لا جواب، مسکت جواب، کہ اس کا کوئی جواب نہیں ہمارے پاس۔حضرت نے فرمایا کہ میں تجھ سے پیارے گفتگو کر رہا ہوں، بات کر رہا ہوں۔اب بات کرتے کرتے اب جہاں میرا سانس ٹوٹے تو وہ آخری جو کلمہ ہے، اس کو پھر دوسرے جملے میں پھر میں اس کو دہراؤں، جیسا کہ میں نے کہا کہ دہراؤں، تو میں یہاں سے شروع کروں، دہراؤں اس جملہ کو، تو اس طرح آخری کلمہ مکرر میں اگر تیرے سامنے دہراتا رہوں گا، تو یہ اچھا لگے گا یا برا لگے گا؟

واقعی ہم اپنی زبان میں کسی سے بات کرتے ہوئے اس جملہ کو مکرر دوبارہ دہرائیں گے، تو کتنا برا لگتا ہے۔تو یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے کلام کی مناجات میں اتنے محو ہو جاتے تھے کہ انہیں یہ قاری کا دوبارہ اس جملہ کو پڑھنا یہ بھی ناگوار گزرتا تھا۔اتنی دیر بھی ان سے برداشت نہیں ہوتا تھا کہ آگے اللہ تبارک وتعالیٰ جو فرماتے ہیں وہ پڑھو۔تم اس کو کیوں دوبارہ دہرا رہے ہو؟ تو اسی طرح مالک ابن دینار اس کو رو رہے ہیں کہ میں اپنی نماز میں **ایاک نستعین** نہیں

پڑھ سکتا، اس لئے کہ میں اپنے دل سے کہتا ہوں تو تو جھوٹ بول رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا قرب نصیب فرمائے، معرفت نصیب فرمائے۔ ہماری اس دوری کو اللہ تعالیٰ قرب سے بدل دے۔ ہم نے اپنے مالکِ حقیقی کو نہ پہچانا، نہ پہچاننے کی کوشش کی۔ یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جرم کو معاف فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَ شَفِیْعِنَا وَ حَبِیْبِنَا وَ سَنَدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ، سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.